ج ۲، ص ۴۲، سنن ابن ماجہ: ۲۱۷

۱۰۰۔ (الف) الاعراف ۷ (ب) الملک ۱۴ (ج) الرعد ۴۰

۱۰۱۔ (الف) الشوریٰ: ۴۸ (ب) المائدہ ۱۰۹ (ج) متی ۲۸: ۱۸۔۲۰ (د) یوحنا ۳: ۳۵

۱۰۲۔ (الف) ایضاً ۵: ۲۲ (ب) متی ۹: ۶ (ج) جمع الفوائد: ج ۲، ص ۵۹۰۔۵۹۱، رقم ۱۰۰۳۲ بہ حوالہ صحیحین

۱۰۳۔ (الف) ابراہیم ۳۰ (ب) آل عمران ۸۳ (ج) الصافات ۹۶

۱۰۴۔ (الف) یٰسین ۸۲ (ب) الرعد ۲۸ (ج) النمل ۶۲

۱۰۵۔ (الف) الانعام ۱۴۱ (ب) آل عمران ۱۷ (ج) قٓ ۱۶

۱۰۶۔ (الف) البقرہ ۲۴۸ (ب) قٓ ۱۸ (ج) الانفطار: ۱۰۔۱۲

۱۰۷۔ (الف) الحاقۃ ۱۸ (ب) الکہف ۴۹ (ج) یٰسین ۶۵

۱۰۸۔ (الف) فصلت/حم السجدہ ۱۹۔۲۱ (ب) الزمر ۱۰ (ج) البلد ۶۔۱۸

۱۰۹۔ (الف) النحل ۹۰ (ب) البقرہ ۲۶۵

اسوۂ حسنہ کے ۱۰ مختلف پہلوؤں پر ایک جامع کتاب

عصر مسائل کے حوالے سے ایک قیمتی مطالعہ

پیغام سیرت

سید فضل الرحمٰن

صفحات: ۲۸۰ قیمت: ۲۲۰ روپے

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

ایک نئے علمی و تحقیقی مجلے کا طلوع

بہ یاد فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی غلام قادرؒ

تحقیقاتِ حدیث

حدیث وعلوم حدیث کے حوالے سے علمی و تحقیقی مقالات ومضامین کا خزینہ

مدیر اعلیٰ: سید عزیز الرحمٰن   مدیر: طاہر عمر

پہلا شمارہ شائع ہو گیا ہے۔

صفحات: ۳۰۴   قیمت: ۲۰۰ روپے

اہم عنوانات:

☐ خدمت حدیث، موجودہ کام اور مستقبل کے ممکنہ اہداف، ☐ علم جرح وتعدیل اور اس کا تدریجی ارتقا، ☐ علم درایت اور موضوع روایات، ☐ کتابت حدیث کے جواز اور عدم جواز پر مشتمل روایات کا تنقیدی جائزہ، ☐ امام اعظم اور علم حدیث، ☐ فتح الباری لابن رجب حنبلی، ایک تعارفی جائزہ، ☐ مولانا مناظر احسن گیلانی اور تدوین حدیث

نیا شمارہ عن قریب شائع ہو رہا ہے

زاویۂ علم و تحقیق

جامعہ خیر العلوم، خیر پور ٹامیوالی۔ ضلع بہاول پور

فون: 0300-7856807، 062-2261018

E-mail: tehqeeqat@gmail.com

توسیع وتسلسلِ دعوت نبوی ﷺ اور عداوتِ قریش کا اختتام

ڈاکٹر نثار احمد

Abstract

The growth & development of H. Prophet' mission and the opposition of QURAISH of MAKKAH in Historical perspective The opposition of QURAISH (Adawat) of Makkah, is a sequel to History of SIRAH. No Description or discussion on SIRAH can be concluded without making a reference to the growth and development of the opposition of QURAISH of MAKKAH.

The opposition of Quraish openly started when the Holy Prophet (SAW) made his message/ mission public at the first public address/ appearance at mount SAFA in 613-14 AD. The opposition of Quraish, historically speaking has a different kind and character, in its first phase at MAKKAH till the event of Hijrah in 622 AD. It entered into another phase till the fall of MAKKAH in 8 A.H/ 630 A.D. when it disappeared. and the whole of MAKAH embreaced ISLAM peacefully

In this article, an attempt is made to acertain the causes, events and effects of the opposition of Quraish visavis the growth and development of Holy Prophet. message & mission (during 613-630 AD) in Historical perspective. The present article is a second episode containing a survey since 627 A.D till 630 A.D.

(۱)

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر قیادت اہل ایمان اور کفار ومشرکین مکہ کے درمیان جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں اپنی اصل اور حقیقت کے اعتبار سے پہلا (اور آخری) بڑا جنگی معرکہ (رمضان ۲ھ

میں) میدان بدر میں پیش آیا، جو حق و باطل اور ایمان وکفر کے مابین فیصلہ کن مقابلہ (فرقان) ثابت ہوا۔ جنگ بدر میں قریش کا ایک بہت بڑا جانی نقصان یہ ہوا کہ ان کی پوری منتخب قیادت صاف ہوگئی۔ جس کا بدلہ لینے کے لئے ایک سال کی تیاری کے بعد (شوال ۳ھ میں) وہ جنگ احد میں تین گنا افرادی قوت کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے تو ایک مرحلے پر اگرچہ انہیں جزوی کامیابی بھی حاصل ہوئی، لیکن آخر کار کفار ومشرکین مکہ کو اپنے قائد لشکر ابوسفیان کے اس اعلان کے ساتھ راہِ فرار اختیار کرنا پڑی کہ اگلے سال ہمارا تمہارا مقابلہ (بدر الصفراء پر) پھر سے ہوگا۔ (۱)

لیکن اگلا سال (۴ھ/ ۶۲۶ء) آتے آتے قریش مکہ کی ہمت مزید پست ہوگئی۔ ابوسفیان ۲۰۰۰ کی جمعیت لے کر مکہ مکرمہ سے نکلا اور سخت موسم اور پانی چارے کی دشواری کا بہانہ کر کے مر الظہران تک ہی آ کر مکہ مکرمہ لوٹ گیا۔ جب کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہفتے تک ابوسفیان کا انتظار مزید کر کے مدینہ منورہ مراجعت فرمائی۔ (۲)

سارا عرب یہ منظر دیکھ رہا تھا، اس لئے بغیر لڑے بھی مسلمانوں کو قریش پر اخلاقی فتح حاصل ہوگئی۔ اس کے بعد معلوم ایسا ہوتا تھا کہ قریش کو مسلمانوں کی آنکھ سے آنکھ ملانے کی ہمت نہ رہی تھی۔ اس لئے شاید براہ راست مقابلے کے بہ جائے بالواسطہ لڑائی کے آرزومند تھے۔ یہ موقع انہیں مزید ایک سال بعد غزوہ احزاب میں میسر آ گیا۔

(۲)

ریاست مدینہ کو صرف قریش مکہ سے ہی نبرد آزما نہیں ہونا تھا۔ اسے اندرونی بیرونی دشمنوں اور خطرات کا اپنے قیام کے بعد ہی سے چیلنج مقابلہ درپیش تھا۔ اور ان سب کا واحد مشترکہ مقصد نوزائیدہ اسلامی ریاست کو ختم کرنا تھا۔ اندرونی دشمنوں میں سب سے زیادہ خطرناک، عیار اور چالاک یہود تھے۔ وہ اگرچہ منشور مدینہ اور دیگر معاہدات صلح کی رو سے اطاعت وانقیاد کے پابند، لیکن جنگ بدر کے بعد انہوں نے عملاً عہد ومیثاق توڑ کر بغض وحسد، نافرمانی وگستاخی کا رویہ اختیار کیا، جس کی پاداش میں ان کے ایک سرکش قبیلے بنوقینقاع کو شوال ۲ھ میں مدینے سے نکال باہر کیا گیا۔ (۳) جب کہ غزوہ احد کے بعد ربیع الاول ۴ھ/ ۶۲۵ء میں ان کے ایک اور قبیلے بنونضیر کو بھی بدعہدی وگستاخی کی سزا میں مدینہ بدر کیا گیا۔ (۴) محرم ۵ھ کے اوائل میں انمار اور ثعلب نامی قبیلوں نے مسلمانوں سے مقابلے کے لئے گروہ جمع کرنا

شروع کئے، اطلاع ملتے ہی آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم منزل مقصود پر پہنچے تو دشمن بھاگ کر پہاڑوں میں چھپ گیا، کچھ دن انتظار فرمانے کے بعد بغیر جدال وقتال کے آپ ﷺ نے مدینہ مراجعت فرمائی۔(۵) ربیع الاول ۵ھ میں شمال عرب میں واقع دومۃ الجندال سے مسلمان تاجروں کے ساتھ زیادتی کی اطلاعات پر سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہزار صحابہ کی معیت میں وہاں روانگی فرمائی، لیکن دشمن مقابلے پر نہ آیا۔ چناں چہ چند روز قیام فرما کر ربیع الثانی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے۔(۶) پھر دو تین ماہ بعد شعبان ۵ھ میں غزوۂ المریسیع یا غزوہ بنی المصطلق پیش آیا۔(۷) مریسیع قدید سے متصل مقام تھا جہاں قبیلہ خزاعہ کی شاخ بنو مصطلق آباد تھی۔ قبیلے کا سردار الحارث بن ابی ضرار تھا، جس نے اپنے قبیلے میں گھوم پھر کر لوگوں کو ریاست مدینے کے خلاف ایسا بھڑکایا کہ وہ مدینے پر حملے کی تیاریاں کرنے لگے۔(۸) یہ امر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام جاسوسی سے کس طرح پوشیدہ رہ سکتا تھا؟ آپ بہت جلد ایک مختصر لشکر کے ساتھ نہایت پیچیدہ راستوں سے گزرتے ہوئے بلا تاخیر منزل مقصود پر جا پہنچے۔ آپ ﷺ کی یہ آمد ایسی اچانک تھی کہ دشمن بوکھلا گیا، اور اپنے سردار سمیت فرار ہو گیا۔ البتہ وہاں کی آبادی نے تیر برسا کر کچھ مزاحمت کی، لیکن مسلمان مجاہدین کے بھرپور حملے کی تاب نہ لا سکی۔ دس قتل ہوئے اور باقی گرفتار کر لئے گئے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر تمام مردوں عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان ہی اسیرانِ جنگ میں سردار قبیلہ کی صاحب زادی (حضرت) جویریہؓ بھی تھیں جو بعد میں ام المومنین کے شرف سے نوازی گئیں۔ مال غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں بھی ہاتھ آئیں۔ یہ پہلا موقع تھا جب کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو اس غزوے میں شرکت کا موقع دیا گیا لیکن وہ اپنی خباثت وشرارت دکھائے بغیر نہ رہ سکے۔ اسی غزوے میں پانی نہ ملنے کے سبب آیت تیمم نازل ہوئی، اور اسی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی۔ جس کے ازالے کے لئے سورۂ نور میں آیات برأت کے نزول سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی پاک دامنی کی تصدیق کی گئی۔

(۳)

حالات وواقعات سیرت کا یہ تسلسل نیز ہجرت مدینہ کے بعد ریاست مدینہ کے لئے انتظامی اقدامات، دینی دعوتی کام، اعدا ومخالفین کے بالمقابل حفاظتی اقدامات خاص طور پر کفار ومشرکین مکہ کے

جارحانہ عزائم کے موثر ازالے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی فکر اور مسلسل کوششوں پر دلالت کرتا ہے، یہاں تک کہ نوزائیدہ اسلامی ریاست میں اتنی تاب مقاومت پیدا ہوگئی کہ وہ مخالفتوں کے طوفانوں کا رخ موڑ سکے اور اپنی سرحدوں کی حفاظت خود کر سکے۔ اب یہ بھی واضح ہوگیا تھا کہ عرب کی کوئی سیاسی عسکری طاقت تن تنہا ریاست اسلامی سے ٹکرانے کی حماقت نہیں کرسکتی تھی، نہ قریش، نہ یہود اور نہ کوئی مشرک کافر طاقت ورقبیلہ، شاید اس لئے مخالفین اسلام نے وقت کی اس ''حقیقت'' کو محسوس کرتے ہوئے مدینے کو زک پہنچانے کے لئے گٹھ جوڑ کا فیصلہ کیا کیوں وہ اس طرح اپنی مجموعی حربی قوت کو ناقابل تسخیر خیال کرتے تھے۔

اس کی پہل یہود بنی نضیر کے رؤسا (۹) کی طرف سے ہوئی، جن کا ۴ھ میں مدینے سے اخراج ہوا تھا وہ لوگ بنی وائل کے چند آدمیوں کی معیت میں خیبر سے مکہ پہنچے اور قریش کو اپنی مدد اور تعاون کا یقین دلا کر مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اکسایا۔ قریش تو پہلے ہی جی جان سے مدینے کو تباہ و برباد کرنا چاہتے تھے وہ صرف آمادہ ہی نہیں ہوئے بل کہ سپہ سالار افواج بننے پر راضی ہوگئے۔ اس کے بعد یہود، غطفان والوں سے ملے اور خیبر کی کھجوروں کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا (عیینہ بن حصن الفزاری ان کا نمایاں ترین سردار تھا) پھر بنو سلیم کے پاس آئے اور دیگر قبائل کو بھی رفتہ رفتہ کوئی نہ کوئی لالچ دے کر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف آمادہ بہ جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ بقول بلاذری آس پاس رہنے والے تمام عرب ان کا ساتھ دینے پر تیار ہوگئے۔ (۱۰) اُدھر قریش نے بھی اپنی کوششوں سے بنو کنانہ اور ثقیف و مغیرہ کو ساتھ ملا لیا۔ بہ ہر حال مشرکوں کافروں کے گٹھ جوڑ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ذی قعدہ ۵ھ میں ہزاروں افراد (کم سے کم ۱۰ ہزار تا ۲۴ ہزار) پر مشتمل اتنی بڑی فوج نے آکر مدینے کو گھیر لیا کہ اس سے قبل عرب کی تاریخ میں اتنی بڑی فوج کہیں حملہ آور نہ ہوئی تھی۔ قرآن نے چند جملوں میں ہی مدینے کے لئے نازک صورت حال کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ ایمان والو! (غزوۂ احزاب کے موقع پر) اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب کہ لشکر کے لشکر تم پر چڑھ آئے تو ہم نے ان پر ایک سخت آندھی بھیج دی اور (فرشتوں) ایسی فوجیں روانہ کیں جو تم کو نظر نہ آتی تھیں۔ (۱۱)

آگے ارشاد خداوندی ہے: جب دشمن (قریش مکہ اور اس کی اتحادی فوجیں) تم پر اوپر سے بھی چڑھ آئے اور (یہود بنو قریظہ وغیرہ عہد و پیمان توڑ کر) نیچے سے چڑھ آنے کے لئے تیار تھے۔ جب خوف کے مارے تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں۔ اور کلیجے کو منہ کو آ گئے اور تم لوگ اللہ (کی فتح و نصرت) کے بارے

میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ بالآخر جب اہل ایمان خوب آزمائے گئے اور بہت بری طرح ہلا مارے گئے۔ (۱۲)

دشمنانِ اسلام کی تمام اتحادی فوجوں کے مقابلے میں مجاہدین اسلام کی بہ ظاہر مادی جسمانی تعداد انتہائی ناقابل ذکر تھی صرف تین ہزار تھی، مگر ان کی ایمانی قوت ہزار گنا زیادہ تھی، علاوہ ازیں جس طرح ایک ہی محاذ پر مختلف النوع دشمنوں کی تعداد حیران کن تھی، اسی طرح طاقت ور دشمن کا حملہ اور پیش قدمی روکنے کے لئے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پر (۱۳) محض چند روز میں ساڑھے تین میل لمبی، تقریباً دس گز چوڑی اور تقریباً ۵ گز گہری، نیم دائرے کی شکل میں ایک وسیع وعریض خندق آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت وسربراہی میں صحابہؓ نے کھود کر تیار کردی تھی جو نہ صرف یہ کہ ناقابل عبور تھی بل کہ کفار ومشرکین عرب کے لئے بالکل نئی چیز اور دشمنوں کے لئے حیران کن تھی فلما راوہ قالوا واللہ ان ھذہ مکیدۃ ما کانت العرب تکیدھا (۱۴) ایک تو خندق دیکھ کر ہی مشرک کافر سورماؤں کے کس بل نکل گئے، پھر خندق پار تیر انداز وشمشیر زن صحابہ کی مستعد جماعت نے اُن کی ہر کوشش ناکام بنادی۔ مزید برآں سرکار مدینہ ﷺ کی اس جنگ کے دوران سیاسی سفارتی کوششوں سے اُن دشمنوں کی ہر سازش بے اثر ہوگئی، اور قدرتی آفات، آندھی، طوفان بادِ باراں، سامان خورد ونوش کی تباہی، طلب رشد کا انتظام مزید برآں یہود بنوقریظہ کی بے وفائی اور دیگر مشکلات نے جسے خود ابوسفیان نے سر پہ پیر رکھ کر وہاں سے بھاگتے ہوئے بیان کیا (۱۵) دشمنانِ اسلام کے سارے منصوبوں کو خاک میں ملادیا۔

(۴)

قریش مکہ کی طرف سے ریاست مدینہ کو زک پہنچانے کی شاید یہ آخری کوشش تھی۔ (اور اجتماعی طور پر کافروں، مشرکوں بت پرستوں، سرکش عربوں، خودغرض سرداروں اور بے وفا یہودیوں کی طرف سے بھی شمع اسلام بجھانے کی ایک بھرپور حتمی کوشش) واقعہ یہ ہے کہ جنگ غزوہ احزاب کے بعد اس جزیرہ نما کے حالات میں طاقت کا توازن بدلتا چلا گیا۔ جس کی تصدیق بعد میں رونما ہونے والے واقعات سے بہ تدریج ہوتی چلی گئی، چناں چہ غزوہ خندق سے واپسی پر حضور رسالت مآب ﷺ نے یہ پیشین گوئی فرمائی کہ لن تعزو کم قریش بعدعا کم ھذا ولکنا کم تغزونھم (۱۶) ''اس سال کے بعد قریش آئندہ تم مسلمانوں پر کبھی حملہ نہ کرسکیں گے بل کہ اب تم ہی ان پر حملہ آور ہوگے'' جب کہ بخاری میں

حضرت سلیمان بن صرد کی روایت میں الفاظ و انداز بیان تبصرہ نبوی کا درجہ رکھتا ہے۔ اور جس میں عزم و ایقان زیادہ نمایاں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا: **الآن نغزوھم ولا یغزوننا، نحن نسیر الیھم** (۱۷) ''اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے، اور وہ اس قابل نہ رہیں گے کہ ہم پر حملہ کر سکیں، چناں چہ آئندہ ہم ہی ان کی طرف پیش قدمی کریں گے''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اقوال کسی سیاسی بیان کی حیثیت نہیں رکھتے، بل کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نبی مرسل اور رسول برحق مستقبل بینی فرما رہا ہے اور آئندہ حالات کا ادراک کر کے اسلام کے مستقبل کی نشان دہی کر رہا ہے۔ اور نوزائیدہ ریاست مدینہ کے دامن میں پوشیدہ بجلیوں کی ضوفشانی کی طرف اشارہ فرما رہا ہے۔ نیز دین اسلام کے دعوتی تبلیغی گراف کو بہ جانب صعود (Climax) بلندیوں تک جاتا دیکھ رہا ہے کہ جیسے جیسے کفروشرک کی طاقتیں زیر ہوتی چلی جائیں گی توحید برق فشاں اور پرچم اسلام بلند تر ہوتا چلا جائے گا۔

یہاں اصل اہمیت اُس وقت Timings کی ہے جب کہ آں حضور ﷺ، وہ قول، پیشین گوئی، اور تبصرہ فرما رہے تھے۔ وہ انتہائی نازک وقت ابھی چند دن پہلے ہی گزرا تھا جب مدینہ دشمن، اسلام دشمن ساری قوتیں مستقر قیادت کو گھیر چکی تھیں، مدینے کی بستی کو مٹا ڈالنے کے لئے تیار، اوپر نیچے ہر طرف سے حملہ آور جماعتیں موقع کی تلاش میں تھیں۔ شمالی جانب سے قریش اور دوسرے تمام اتحادی لشکروں کا زور تھا اور مدینے کے جنوبی حصے میں بنو قریظہ شیطان خیبر جسمان بن اخطب کی شرارت وشیطنت کے نتیجے میں قریش مکہ سے ساز باز کر کے سرکار مدینہ سے وفا و اطاعت کا ہر عہد توڑ چکے تھے (۱۸) اور مدینے کی مسلمان آبادی کو عموماً اور ان قلعوں کو خصوصاً جہاں حفاظت کی غرض سے صحابیات، امہات المومنین، قیام فرما تھیں۔ (۱۹) نشانہ بنانے کے آرزومند تھے، اس صورت حال میں جس کی اطلاعات آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو برابر مل رہی تھیں اُن پر کرب و اضطراب کتنا زیادہ حاوی نہ رہا ہوگا، اس کا کچھ اندازہ لب ہائے مصطفوی سے نکلے ان الفاظ سے کیا جا سکتا ہے، **یاصریخ المکروبین یا مجیب المضطرین اکشف ھمی وغمی وکربی فانک تری مانزل بی وبا صحابی**۔ (۲۰)

اس لئے ابن سعد (اور دوسرے مورخین) کے بہ قول آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ہر طرف سے محاصرے کی حالت میں تھے۔ (۲۱) محاصرے کی شدت اگرچہ روز بہ روز بڑھتی جاتی تھی۔ تاہم اُس کا نقطہ عروج وہ آخری چند ایام تھے۔ (۲۲) جب دشمن کی اتحادی افواج نے ایک بھرپور حملہ کیا اور بہ

قول مولانا شبلیؒ حملے کا (وہ آخری) دن بہت سخت تھا (جب) تمام دن لڑائی ہوتی رہی۔ کفار ہر طرف سے تیروں اور پتھروں کا مینہ برسا رہے تھے اور ایک دم کے لئے بھی یہ بارش تھمنے نہ پاتی تھی۔ یہی دن ہے جس کا ذکر احادیث میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل چار نمازیں (دراصل تین) قضا ہوگئیں کہ متصل تیراندازی اور سنگ باری سے جگہ سے ہٹنا ناممکن تھا۔ (۲۳)

(۵)

جنگ خندق کا منظر نامہ اور اس میں پیش آنے والے حالات واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کوئی عام قسم کی معمولی جنگ نہ تھی۔ (۲۴) بل کہ مختلف پہلوؤں سے بہت اہم اور خاص الخاص جنگ تھی (۲۵) ان میں سے بعض کی کچھ تفصیل ضروری معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً:

۱۔ کفار ومشرکین عرب اور یہود مدینہ وخیبر کی متحدہ افواج نے (جو اپنی عددی قوت کے اعتبار سے کم سے کم ۱۰ ہزار اور زیادہ سے زیادہ ۲۴ ہزار تھی، یعنی عرب کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ تھی) جب مدینے کو گھیر لیا تو انہیں یقین تھا کہ مدینے کی معمولی سی بستی کو تاخت تاراج کرنا محض چند روز کا کام ہوگا، لیکن جب خلاف توقع انہیں ''خندق'' کا سامنا کرنا پڑا تو حیران وششدر رہ گئے۔ محاصرہ نے طول کھینچا، اس کے نتیجے میں جنگ کی طوالت ۲۷ روز یعنی تقریباً ایک ماہ تک پھیل گئی جنگی حالت کا اتنے عرصے تک قائم رہنا اور جنگی حالات میں محاذ جنگ کے انتظامات، اور پھر محصور شہری آبادی کی حفاظت مدافعت اور حوصلہ مندی (Moral) کو برقرار رکھنا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے بے دار مغز قائد وسپہ سالار نے بہ خوبی انجام دیا۔ (۲۶) پھر جب آخری چند ایام میں دشمن اتحاد نے بھرپور حملہ کرکے اپنے حق میں کوئی نتیجہ حاصل کرنا چاہا تو انہیں اس میں بھی ناکامی ہوئی۔ یعقوبی نے شاید آخری چند دنوں کی شدید جنگ کے پیش نظر ہی ''وقعۃ الخندق'' کو محض تین دن کی جنگ کہا ہے۔ (۲۷)

۲۔ اس جنگ میں قائد جیوش اسلامی آقائے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنانِ اسلام کی بے پناہ یورش کو روکنے، دفاعِ مدینہ اور فخر وغرور سے سرشار جنگ جوؤں کے حوصلے پست کرنے کے لئے جنگ میں ایک نئی تدبیر، ترکیب، جنگی چال اور دفاعی ٹیکنیک ''خندق (سی)'' استعمال کی جو اس واقعے سے پہلے عرب کی جنگی روایت میں کبھی استعمال نہیں ہوئی، اس کا اعتراف دشمن اتحاد کے فوجیوں نے خندق دیکھ کر بڑی حیرت سے کیا تھا واللہ ان ھذہِ لمکیدۃ ما کانت العرب تکیدھا (۲۸) اور اتحادی فوج

کے کمانڈران چیف ابوسفیان نے دوران جنگ تحریری طور پر بہ طور شکایت سپاہ اسلامی کے تاج دار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا تھا کہ ہم سب تمہارے دشمن جمع ہو کر تمہارا ہمیشہ کے لئے استیصال کرنے کے لئے آئے تھے مگر تم نے (میدان جنگ میں بھی) ہم سے ملنا ہی پسند نہیں کیا اور یہ کیا؟ راستے میں خندق اور تنگ نائیاں پیدا کر دیں۔ کاش کہ ہم جان سکتے کہ یہ (ترکیب) تمہیں کس نے سکھائی؟ (۲۹)

۳۔ دشمن کی بے پناہ فوجی قوت کو بے اثر کرنا اور جاسوسی، خفیہ پیغام رسانی کا ''ہتھیار'' استعمال کر کے فریق مخالف کے مختلف دھڑوں میں اختلاف وافتراق اور بے اعتمادی کی فضا پیدا کر کے ان کے درمیان غلط فہمیاں اور فاصلے پیدا کر دینا کہ باہم نہ مل سکیں نہ خطرہ بن سکیں۔ یہ ایک ایسا فن اور آرٹ ہے جو بسا اوقات جنگ کا پانسہ پلٹ دیتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فن کو الحرب خدعة کا عنوان عطا فرما کر حضرت نعیم بن مسعود غطفانی کے ذریعے پوری مہارت کے ساتھ استعمال فرمایا اور کفار ومشرکین اور یہود کی شیطانی قوتوں کو آپس میں ملنے نہیں دیا ورنہ مسلمانوں کے لئے سخت خطرات پیدا ہو جاتے۔ (۳۰)

۴۔ غزوۂ خندق (جیسا کہ ایک جدید العہد مصنف نے لکھا ہے (۳۱) کہ غزوہ بدر کی طرح ایک ایسی فیصلہ کن جنگ ثابت ہوئی جس نے تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ اس جنگ کے ذریعے کفار مشرکین اور یہود خیبر ومدینے کا خطرناک گٹھ جوڑ بے اثر بے نتیجہ بنا دیا گیا، بل کہ اسے دوبارہ پنپنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ اُس مصنف کے بہ قول مسلمانوں کا ''دورالدفاع'' ''دورالہجوم'' میں بدل گیا۔ (۳۲) اب تک اہل ایمان دوسروں کے حملے روکنے پر اکتفا کرتے تھے اور محض اپنے ''دفاع'' پر مجبور تھے۔ لیکن وہ مرحلہ اختتام پذیر ہوا۔ اور اب دوسروں کی طرف پیش قدمی کرنے اور حسب ضرورت حملہ اور ہجوم کر کے آگے بڑھنے کا وقت آ گیا۔ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ اسلامی ریاست ''مدینہ'' سے آگے بڑھ کر وسعت پانے کے قابل ہوئی۔

۵۔ غزوۃ الاحزاب کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اہل ایمان کی مدد واعانت کا انداز بہت مختلف اور بہت موثر تھا۔ اللہ کی مدد دو طرح سے پہنچی ایک غیر مرئی مخلوق ملائکہ نے کفار ومشرکین کے دلوں میں رعب وہیبت خوف وتزلزل پیدا کر دیا۔ جنگیں صرف ہتھیاروں سے نہیں لڑی جاتیں بل کہ دلوں سے لڑی جاتی ہیں۔ لڑنے والوں کے دلوں میں اگر خوف وتزلزل پیدا ہو جائے، ان کی ہمت جواب دے جائے، شک وریب بے یقینی سے دل کانپنے لگیں۔ جسم وجان میں لرزہ پیدا ہو جائے تو ہاتھ پیر کانپنے لگتے ہیں۔ ہتھیاروں کو کام میں لانا، ہدف کو نشانہ بنانا ممکن نہیں رہتا، بل کہ ہتھیار الٹے وبال جان بن جاتے

ہیں۔ مآل کار ہزیمت، ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ یہ کام ملائکہ کی غیر مرئی فوج نے انجام دیا اور کفار ومشرکین کی بہادر فوج ڈرپوک بھگوڑوں میں بدل گئی دوسری طرف ایک زبردست خوف ناک ہوا کے جھکڑوں اور طوفان نے پورے میدان جنگ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، موسم یکا یک بدل گیا، معمول کا موسم سرد ہی نہیں سخت سرد ہوگیا، بدن کپکپانے لگے، ریت اور سنگریزے اڑ اڑ کر کفار ومشرکین کے منہ پر لگنے لگے، آنکھیں بے کار، منہ جسم زخمی ہونے لگے، چولہے بجھ گئے، دیگچے زمین پر جا پڑے، دیگیں الٹ گئیں، خیمے شامیانے اکھڑ گئے، گھوڑے چھوٹ کر بھاگنے لگے، سردی اندھیری رات ناقابل برداشت بن گئی، کھانے پینے پکانے کی کوئی صورت نہ رہی، یہ دراصل آفات الٰہی تھی۔ قرآن نے آفات کے اس دریا کو چند الفاظ کے کوزے میں بند کر دیا ہے فارسلنا علیھم ریحاً (۳۲/ الف) اللہ کی بھیجی ہوئی ہوا تھی جس نے تہلکہ مچادیا اور جنگ میں فیصلہ کن بنا دیا۔ یہ محض خیالات قیاسات نہیں، وہ حقائق ہیں جن کے مشاہدہ کے لئے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً آخری رات حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو (اپنا نمائندہ خصوصی بنا کر) دشمنان اسلام فوجوں کے مرکزی کیمپ (سپہ سالار ابوسفیان آفس) اپنی پاکیزہ دعاؤں کے حصار میں روانہ فرمایا، تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کانوں سے سن کر اصل صورت حال سے مطلع کریں۔ اس خطرناک ترین ماحول میں حضرت حذیفہ کی روانگی، آپ ﷺ کے مشاہدات، ابوسفیان کی تقریر اور اس کے روانگی کے لئے رحیل بجا دینے کو بنیادی مآخذ میں تفصیل سے نقل کیا گیا ہے۔ (۳۳) اللہ کی طرف سے بھیجی جانے والی طوفان خیز ہوا اور غیر مرئی لشکر کی مدد سے کفار ومشرکین کے لئے سب کچھ بھول کر راہ فرار اختیار کرنے کے علاوہ کوئی راستہ باقی نہ بچا تھا اور ایک اللہ ہی ہزیمت کفر اور غلبہ اسلام کے لئے کافی ہوگیا۔ اور دشمنوں کے ہاتھ کچھ بھی نہ آیا۔ (۳۳/ الف)

(۲)

دشمن فوجوں کی ناکام ونامراد واپسی اور بہ عجلت فرار کے بعد (شمال مدینہ کا) پورا مطلع صاف ہوگیا (جہاں کفار ومشرکین اور یہود وعرب کے تمام دشمن عناصر کا جمگھٹا مدینے پر پل پڑنے کے لئے بے چینی سے منتظر تھا) بنابریں دنیائے جزیرۃ العرب نے بہ چشم سر دیکھ لیا کہ اسلامی ریاست مٹانے کی نیت سے آنے والے تمام دشمنوں، کفار ومشرکین یہود وغیرہ کے خواب چکنا چور ہوگئے اور یہ واضح ہوگیا کہ اب عرب کی کوئی قوت نہ تنہا ریاست مدینہ کا بال بیکا کر سکتی ہے، اور نہ سب کے ساتھ مل کر اور مجتمع ہو کر اسے مٹا سکتی ہے۔

اب استحکام ریاست مدینے کی راہ میں صرف ایک رکاوٹ یہود بنی قریظہ کی باقی رہ گئی تھی۔ جنہوں نے زمانہ جنگ خندق کے مخدوش حالات میں قریش مکہ سے ساز باز کی، سرکار مدینہ سے کیا گیا عہد اطاعت علی الاعلان توڑا، اندرون مدینہ کی مسلمان آبادی پر، (خصوصاً اُن خواتین، امہات المومنین اور بچوں پر) حملہ کی کوشش کی، جو قریب کے علاقوں میں واقع قلعوں میں مقیم تھے۔ علاوہ ازیں اگر نُعیم بن مسعود اشجعی کی بروقت کوششوں سے ان یہود اور قریش مکہ کے درمیان پھوٹ نہ پڑ جاتی تو اصل منصوبے کے مطابق اوپر شمال سے اتحادیوں کا اور نیچے جنوب سے یہود بنو قریظہ کا اہل ایمان پر حملہ غیر معمولی اثرات وخطرات کا موجب بن جاتا۔ بہ ہر حال مدینے کے اندر رہتے ہوئے بنو قریظہ کا باغیانہ کردار اس بات کو مستلزم تھا کہ (جنگ، خندق سے فارغ ہوتے ہی) یہود بنی قریظہ کی بیخ کنی بلا تاخیر کر دی جائے۔ یہ امر جنگ خندق کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے بھی ضروری تھا۔

چناں چہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ خندق سے ظہر کے وقت گھر لوٹ کر ابھی استراحت فرما بھی نہیں ہوئے تھے کہ افواج ملائکہ کے سربراہ حضرت جبرئیلؑ نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا آپ ﷺ نے اپنے ہتھیار کھول کر رکھ دیئے ہیں۔ حال آں کہ ملائکہ نے تو ابھی اپنے ہتھیار نہیں کھولے ہیں۔ اور اللہ نے آپ ﷺ کو بنو قریظہ کی (بستی کی) طرف کوچ کا حکم دیا ہے۔ (۳۴) حضرت جبرائیلؑ کی آمد اور اذنِ الٰہی کی ترسیل غایت عجلت کی دلیل تھی اور اس کا مطلب یہی تھا کہ یہودی خطرہ کا فوری استیصال ناگزیر ہے اور فتنۂ نامرضیہ کا دفیعہ وقت کی پہلی ضرورت تھی۔ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا تاخیر مدینہ منورہ میں یہ منادی کرادی کہ ہر سننے اور ماننے والا مسلمان مجاہد، عصر کی نماز ہر حال میں بنو قریظہ کی بستی پہنچ کر ادا کرے۔ (۳۵)

قرآن میں جہاں غزوہ احزاب کے حقائق واحوال کے حوالے سے بعض اہم تفصیلات کا احاطہ کیا گیا ہے (۳۵/ الف) اس کے بعد متصلاً غزوہ بنی قریظہ کا خلاصہ اگلی دو آیات میں (۳۵/ ب) بیان کر دیا گیا ہے۔ (۳۶) جو اس بات کا اشارہ ہے کہ یہود بنی قریظہ کا معاملہ دراصل غزوہ خندق سے جڑا ہوا ہے اور وہاں سے واپسی کے فوراً بعد حضرت جبرئیلؑ کی خدمت نبوی ﷺ میں حاضری اور بلا توقف بنو قریظہ کی طرف کوچ کا حکم (۳۷) ظاہر کرتا ہے کہ جنگ کے دوران یہود بنی قریظہ کی غداری و بدعہدی نہ صرف ریاست مدینے کے خلاف غداری کا جرم تھا، بل کہ صریحاً اللہ ورسول سے دشمنی کا ہم معنی تھا۔ یہود کا خفیہ سنجیدہ خطرناک طرز عمل اور اندر ہی اندر جنگی بندوبست متقاضی تھا کہ ان کی فوری خبر لی جائے اور مدنی

معاشرے میں موجود یہود بنی قریظہ کی منفی سرگرمیوں کا سدِ باب کیا جائے۔

چناں چہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تین ہزار جانثاروں کی معیت میں مدینہ منورہ کے جنوب مشرق میں واقع بنو قریظہ کی بستی پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے۔ بنو قریظہ نے ابتدا میں کچھ مقابلہ کیا اور پھر بھاگ کر اپنے مضبوط قلعوں میں چلے گئے۔ اس کے بعد ظاہر ہے کہ اُن کا محاصرہ کرلیا گیا جو ۲۰، ۲۵ روز تک جاری رہا۔ (۳۸) بالآخر بنو قریظہ محاصرے کی سختی سے عاجز آ گئے اور یہ درخواست کی کہ ہمارے بارے میں فیصلہ قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ سے کرایا جائے۔ (۳۹) وہ جو کچھ فیصلہ دیں گے ہمیں منظور ہوگا۔ اس سے پہلے بنو قریظہ حضرت ابولبابہ انصاری سے مشورے کی درخواست کر چکے تھے جسے منظور کر کے حضرت ابولبابہ کو ان کے پاس بھیجا جا چکا تھا، اور حضرت ابولبابہ انہیں بتا چکے تھے کہ ان کے لئے سرِ اطاعت خم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ (۴۰) حضرت سعد بن معاذؓ کے اہل قبیلہ زمانہ جاہلیت سے ان کے حلیف چلے آ رہے تھے۔ یہود کا خیال تھا کہ حلیفانہ تعلقات کا پاس ولحاظ کر کے حضرت سعد ان کے لئے کسی نہ کسی رعایتی فیصلے کا اعلان کریں گے، مثلاً بنو قینقاع یا بنو نضیر کی طرح جلاوطنی کی سفارش۔ علاوہ ازیں خود قبیلہ اوس کے لوگ حضرت سعد بن معاذ سے اپنے حلیفوں کے بارے میں نرمی برتنے کی درخواست کر چکے تھے۔ (۴۱) لیکن ظاہر ہے کہ حضرت سعد بن معاذ نے بغیر کسی رعایت وعصبیت کے حق وانصاف کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ ان کے بالغ مرد قتل کر دیئے جائیں اور عورتیں اور بچے لونڈی غلام بنائے جائیں اور ان کا مال کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے، یہ وہ سچا فیصلہ تھا جس پر زمین وآسمان قائم ہیں۔ (۴۲) اس فیصلے پر عملدرآمد کے نتیجے میں مدینہ آئے دن کی یہودی سازش وشرارت سے محفوظ ہو گیا۔

(۷)

غزوہ خندق اور غزوہ بنی قریظہ (شوال ذی قعدہ ۵ھ/ مارچ اپریل ۶۲۷ء) کے نتائج وثمرات نے اہل ایمان کفار قریش یہود مدینہ، اور اقصائے عرب میں بسنے والے قبائل وغیرہ، تمام فریقوں کو متاثر کیا۔ اور بہ طور خاص قریش مکے کے تعلق سے جو مطالعہ ہمارے زیر بحث ہے۔ اس کے پیش نظر یہ دیکھا جا سکتا ہے کہ اس جنگ یعنی جنگ خندق نے ان کی جارحانہ قوت وطاقت کو ختم کر کے رکھ دیا اور پھر وہ اس قابل نہیں رہے کہ مدینے پر حملہ آور ہو سکیں۔ اس حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے یہ ارشاد ہوا تھا کہ لن تغفرو کم قریش بعد عامکم ھذا ولکنکم

تـغـزونهم اس سال کے بعد قریش تم مسلمانوں پر کبھی حملہ آور نہ ہوسکیں گے بل کہ اب تم ہی ان پر حملہ آور ہوگے۔ قریش مکہ کی غرض واحد مسلمانوں کا استیصال اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت توڑنا تھی لیکن وہ خود ٹوٹ کر رہ گئے۔

اس صورت حال کا ولیم منٹگمری واٹ نے جو تجزیہ پیش کیا ہے اس سے ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے۔ چناں چہ وہ کہتا ہے کہ جنگ احد کے موقع پر قریش مکہ چوں کہ اپنے ہاں موجود زیادہ سے زیادہ قوت جمع کر کے میدان میں آئے تھے اس لئے جنگ خندق میں اس سے زیادہ قوت کا حصول اسی صورت میں ممکن تھا کہ (الف) بدوی قبائل میں سے ان طاقت ور قبیلوں کی حمایت حاصل ہوجائے جو مدینے کے شمال اور مشرق میں واقع تھے (ب) یا ریاست مدینے کی کم زور حیثیت کا زیادہ سے زیادہ پروپیگنڈا کیا جائے۔ (ج) قریش سے منسوب عزت رفتہ یا تکریم سابق کی یاد تازہ کرائی جائے (د) یا مال غنیمت کا وعدہ کیا جائے یا زیادہ صحیح الفاظ میں (ہ) انہیں رشوت پیش کی جائے (و) قبائل خصوصاً مکہ کے شمال جنوب میں واقع بنوضمرہ کو یقین دلایا جائے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قوت ختم ہوگئی ہے۔ (۴۳) واٹ کے نزدیک مگر یہ حیرت اور پریشانی کا باعث تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگلے ہی سال ابوسفیان کے چیلنج کا جواب دینے کے لئے اپریل ۶۲۶ء میں بدرالصفراء میں احد سے زیادہ فوج لے آئے۔ واٹ کے مطابق احد کے بعد اگلے دوسالوں میں پیغمبر اسلام کی پالیسی یہ رہی کہ جیسے ہی کسی طرف سے مدینے پر کسی حملہ یا مہم جوئی کی اطلاع انہیں ملتی تھی اس کا فوری قلع قمع کر دیا جاتا تھا۔ (۴۴)

واٹ کے مطابق جنگ احد مسلمانوں کے لئے کسی بہت بڑے فوجی نقصان کا سبب نہیں بنی تھی۔ البتہ کچھ ایمانی اخلاقی کم زوریوں نے انہیں ضرور رنجیدہ کیا تھا۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ جنگ احد کے بعد آنے والے مراحل میں جنگ خندق تک پہنچتے پہنچتے، کامیابی کی لہریں مسلمانوں کے ساحل مراد سے ہی ہم کنار رہیں۔ (۴۵) نیز ساحلی پٹی پر آباد قبائل ریاست مدینہ کے وفادار رہے اور اچھے تاثر کے زیر اثر رہے۔ (۴۶) بہ ہر حال (قریش مکہ اور ان کے اتحادیوں کی طرف سے) مدینے کا محاصرہ جسے مسلمانوں میں جنگ خندق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (اور جو ۳۱، مارچ ۶۲۷ء/ ۸ ذی قعدہ ۵ھ سے شروع ہوکر تقریباً ۱۵ دن میں اختتام پذیر ہوا) اس میں اہل مکہ کی تمام تر کوششوں کا مدعا قوت وسطوت محمدی ﷺ کو توڑنا ہی تھا۔ (۴۷) واٹ نے تفصیل سے ان اسباب ووجوہ کا جائزہ لیا ہے جو مسلمانوں کی کامیابی اور قریش مکہ اور دیگر عناصر کی ناکامی کا سبب بنے اور اعتراف کیا ہے کہ اس معرکے میں آں حضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی بہترین تدابیر، حکمت عملی، خفیہ اطلاعات کا منظم و مستعد شعبہ، مسلمانوں کا اتحاد اور مثالی نظم وضبط نے تمام دشمنان اسلام کو آؤٹ کلاس کر دیا۔ نیز یہود بنی قریظہ کے بارے میں اس کی رائے یہ ہے کہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خلاف فوجی ایکشن نہ لیتے تب بھی بنو قریظہ کے لئے اپنی عزت، توقیر، اپنی دولت وثروت اور مقام ومرتبہ باقی رکھنا ممکن نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسی طرح استیصال کر دیا، جس طرح وہ خود پہلے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استیصال کرنا چاہتے تھے۔ (۴۸)

مختصر یہ کہ حالات وواقعات کا جو نقشہ اس وقت تک ظہور پذیر ہو چکا تھا اس کے تحت یہ واضح ہو گیا کہ

۱۔ غزوۂ خندق اور غزوۂ بنی قریظہ کی آزمائشوں سے صبر واستقامت کے ساتھ گزرنے کے بعد ریاست ومملکت مدینہ کا پہلا پنج سالہ ترکیبی تقویمی مرحلہ مکمل ہوا۔ اور عرب معاشرے کے سیاسی معاشرتی آفاق میں اس کا ایک الگ نمایاں تشخص قائم ہو گیا اور کفر وشرک کی قوتوں بہ شمول یہود نے یہ جان لیا کہ ''مدینہ'' بالقوہ اور بالفعل اتنی قوت ونمو پا چکا ہے کہ اس کا استیصال ممکن نہیں رہا۔

۲۔ عرب معاشرے میں قریش مکہ کے سیاسی وقار واعتبار کو سخت دھچکا پہنچا۔ تولیت کعبہ کے سبب حاصل ہونے والی مذہبی وجاہت رتبہ وحیثیت معرضِ خطر میں پڑ گئے۔ اور تمام تر کوششوں کے باوجود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اسلام کے مقابلے میں مسلسل ناکامیوں کے سبب اہل مکہ میں ایسے طبقے کا پیدا ہونا کیا تعجب خیز ہوسکتا تھا جو عملی طور پر مسئلے کا بہترین حل اس بات میں پاتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے لائے ہوئے دین اسلام کو ہی کیوں نہ قبول کر لیا جائے۔ (۴۹)

۳۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سربراہی میں قوت ونمو پانے والی ریاست مدینہ جزیرہ نمائے عرب میں حاکمیت الٰہی کی نمائندہ بن کر اس قابل ہو گئی کہ اس کے اپنے خلاف اٹھنے والی شوریدہ سری کو دفع اور رفع کر سکے، مجرموں کو سزا دے سکے، مغروران کور بہ اصلاح کر سکے اور کفار ومشرکین ویہود کی خلاف اسلام انفرادی یا اجتماعی سرگرمیوں کو نمو ما اور قریش مکہ کی طرف سے خصوصاً سیاسی معاشی جارحانہ سرگرمیوں پر نظر اور نگرانی کو موثر بنا سکے۔

چناں چہ یہاں یہ امر انتہائی قابل ذکر ہے کہ ریاست مدینہ مندرجہ بالا مقاصد کے حصول میں برابر منہمک رہی اور ایسی مستعدی اور تیز رفتاری کے ساتھ یہ کام انجام دیئے کہ اگلے ایک سال سے بھی کم عرصے (۹/۱۰ ماہ) میں محرم ۶ھ تا ذی قعدہ ۶ھ میں انیس غزوات وسرایا کو منظم کیا گیا۔ (۵۰) جب کہ آخر الذکر ماہ ذی قعدہ ۶ھ، میں غزوۃ الحدیبیہ کا وہ مہتمم بالشان واقعہ پیش آیا جس نے اپنے ہمہ جہت پہلو ذی

میں نہ صرف آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عالمی تبلیغی مشن کے فروغ کو بلندیوں تک پہنچایا، بل کہ تعلقات قریش مکہ کے باب میں فیصلہ کن موڑ اور فتح مکہ کا مقدمہ ثابت ہوا۔ نیز اس واقعے نے اقصائے عرب کے عمومی حالات پر گہرا اثر ڈالا، اور ریاست ومملکت مدینہ کو توسیع واستحکام سے ہم کنار کیا۔ زیر نظر دور حالات پر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل گرفت کو ثابت کرتا ہے، اور تکمیل دین وملت کی جانب عظیم پیش رفت کو بھی۔ اس اجمال کی کچھ تفصیل ہم اگلی فصل میں پیش کریں گے۔

اس موقع پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ واٹ نے بھی محولہ بالا دور (محاصرہ مدینہ/ خندق تا صلح حدیبیہ) کو اہم سمجھتے ہوئے جگہ جگہ نکتہ چینی کے باوجود بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ اس دور میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پالیسی میں نئے رجحانات ظاہر ہوتے چلے گئے۔ (۵۱) وہ نیش زنی کرتے ہوئے رقم طراز ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پالیسی مقاصد کو سمجھنا ہر ایک کے لئے قابل فہم نہیں۔ اس کے نزدیک یہ بات طے شدہ تھی کہ وہ اہل مکہ سے لڑائی جاری رکھنا چاہتے تھے اور اہل مکہ کی شکست اور اپنے شہر مکہ کی فتح کے علاوہ کوئی دوسری بات نہیں سوچ سکتے تھے۔ (۵۲)

واٹ کے نزدیک غزوۂ خندق کے بعد آنے والے دور میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقاصد زیادہ متنوع ہونے کے ساتھ ساتھ زیادہ سیاسی نوعیت اختیار کرتے چلے گئے۔ تاہم اگر کوئی ابتدائی تاریخ کا مطالعہ کرے گا تو اسے یہ معلوم ہو جائے گا کہ مقاصد کا یہ تنوع دراصل شروع سے ہی ان کے پیش نظر رہا تھا۔ (۵۳) واٹ آگے چل کر ۲۷۔ ۶۲۶ء کے واقعات کی روشنی میں خود ہی یہ اعتراف (اپنی سابقہ رائے کے برخلاف) کرتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکے پر براہ راست حملہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ (۵۴) اس کے بہ جائے ان کی پالیسی یہ تھی کہ شام کے راستے سے ہونے والی مکی تجارت پر دباؤ کے ذریعے سے مکے کو کم زور کر دیا جائے۔ نیز اس راستے کے قرب وجوار میں رہنے والے زیادہ سے زیادہ قبائل سے معاہدات وغیرہ کر کے اپنی قوت کو مجتمع رکھا جائے۔ (۵۵)

(۸)

غزوۂ خندق کے ٹھیک ایک سال بعد ذی قعدہ ۶ھ، ۶۲۸ء میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا۔ اس دوران اگر چہ دوسرے قابل ذکر واقعات بھی رونما ہوئے، لیکن صلح حدیبیہ کا واقعہ تاریخ سیرت میں عموماً اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے تعلقات کے باب میں خصوصاً اہمیت رکھتا ہے۔ مولانا شبلی کے

بہ قول تاریخ اسلام میں یہ واقعہ نہایت اہم یعنی اسلام کی تمام آئندہ کامیابیوں کا دیباچہ ہے اور اسی بنا پر باوجود اس کے کہ وہ صرف ایک صلح کا معاہدہ تھا اور صلح بھی بہ ظاہر مغلوبانہ تھی تاہم خدا نے قرآن مجید میں اس کو فتح کا لقب دیا ہے۔(۵۶)

لیکن اس سے پہلے کہ صلح حدیبیہ کو زیر بحث لائیں، ریاست مدینہ، دعوت نبوی ﷺ اور قریش مکہ کے حوالے دیکھنا ہوگا کہ بعض حالات کیا رخ اختیار کر رہے تھے مثلاً:

۱۔ جنگ خندق کے اختتام پر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کے بارے میں یہ تبصرہ فرمایا تھا کہ **لن تغزو کم قریش بعد عامکم ھذا ولکنکم تغزونھم** یہ تبصرہ جلد ہی عملی طور پر ایک حقیقت بن گیا۔ قریش کا زور ٹوٹ گیا ان کی جارحانہ قوت وصلاحیت ماند پڑ گئی، توسیع دعوت نبوی ﷺ کے مقابلے میں قریشی مزاحمت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کم زور سے کم زور تر ہوتی چلی گئی، مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ریاست مدینہ کو مٹانے کے لئے قریش کی تنہا کوششیں اور کفار ومشرکین اور یہود عرب سے مل کر جنگ خندق میں اجتماعی کوششیں بھی ناکام ونامراد ٹھہریں، اسلام کی مخالف قوتیں اپنے قبیلوں، اپنے علاقوں کے دائروں میں محدود ہوتی چلی گئیں۔فروغ اسلام نے قریش کی مذہبی سیاست کے لئے خطرات پیدا کر دیئے۔ علاوہ ازیں ریاست مدینہ کے روز افزوں اقتدار، تجارتی قافلوں کی کامیاب ناکہ بندی، شامی تجارتی راستے کی بندش نے مکی معیشت کو زوال سے ہم کنار کر دیا۔ بنابریں مدینے سے کئی بار کی جنگوں نے قومی معیشت پر غیر معمولی منفی اثرات مرتب کئے۔ مختصر یہ کہ جنگ خندق کے بعد کا زمانہ قریش کے لئے مذہبی سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے مشکلات کا زمانہ تھا۔ یہ مشکلات جنگ خندق سے کچھ پہلے ہی، جیسا کہ ڈاکٹر حمید اللہ نے لکھا ہے، اس وقت بھی تھیں جب ۵ھ میں حجاز میں سخت قحط پڑا تھا اور مکے والوں کی رسد کے مرکز یمامہ پر بھی مسلمانوں کا (ثمامہ بن آثال کے اسلام لانے کے باعث) قبضہ ہو کر درآمد بند ہو گئی تھی۔(۵۷) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بندش کا اثر محسوس کرا دینے کے بعد اپنی مرضی اور اختیار سے ممانعت اٹھا کر نیز مکے والوں میں سے غربا وفقرا کی امداد کے لئے سرمایۂ قحط میں اس زمانے میں پانچ سو اشرفیاں روانہ کر کے وہاں کے عوام کے دل موہ لئے تھے۔(۵۸) علاوہ ازیں مختلف سامان ضرورت (کھجور وغیرہ) ابوسفیان کو 'ہدیہ' بھیج کر معاوضے میں جانوروں کی کھالیں طلب کی تھیں۔(۵۹) غرض باوجود حالت جنگ کے قائم رہنے کے یہ خاموش دل دہی کے کام جاری تھے۔(۶۰)

معاشی مشکلات میں، جنگ خندق کے چند ماہ بعد بھی اضافے کی صورتیں پیدا ہوتی رہیں۔ مثلاً

شامی تجارتی راستہ کی بندش کے پیش نظر، قریش نے اپنے تجارتی قافلے کی شام سے واپسی کے لئے ایک دوسرا قدرے نامانوس عراقی راستہ اختیار کر کے قافلے کو بچانا چاہا، مگر مستعد جاسوسی نظام کے تحت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے کا راستہ اختیار کرنے کی بروقت اطلاع ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمادی الاول ۶ ھ میں حضرت زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں ۱۷۰ اسواروں پر مشتمل ایک مہم العیص کی جانب روانہ فرمائی۔ (۶۱) یہ مہم انتہائی کام یابی سے ہم کنار ہوئی۔ قافلے میں شریک لوگ گرفتار ہوئے، جن میں مغیرہ بن معاویہ بن العاص کے علاوہ دامادِ رسول ابوالعاص بن الربیع بھی شامل تھے۔ بہت سا مال واسباب ہاتھ آیا جس میں صفوان بن امیہ کی چاندی کی بڑی مقدار بھی تھی۔ (۶۲) اس مکی تجارتی قافلے کا رہبر فرات بن حیان العجلی تھا۔ (۶۳)

ان تفصیلات سے بہ آسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قریش مکہ میں حقیقتاً پہلے جیسا دم خم باقی نہیں رہا تھا اور کوئی بڑا اقدام اٹھانے کے لئے بہ ہر حال سرمائے کی ضرورت تھی۔ ڈاکٹر حمید اللہ کا خیال ہے کہ قریش مکہ کی قوت چاہے معاشی طور پر متاثر ہوئی ہو، جنگی حیثیت سے برقرار تھی۔ اور وہ سب کے سب غم و غصے سے بے قرار اور مسلمانوں کے خلاف خار کھائے بیٹھے تھے اور سابقہ ناکامیوں کی جلن الگ تھی۔ (۶۴) تاہم ڈاکٹر صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں کہ ''شاید یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے معاشی دباؤ کے باعث اب وہ (قریش مکہ) واقعی صلح پر بھی آمادہ ہوچکے تھے'' (۶۵) گویا جزیرہ نمائے عرب کے مجموعی حالات ریاست مدینہ کی توسیع اور عروج دعوت نبوی ﷺ کے حق میں سازگار ہوتے جارہے تھے۔

۲۔ قریش مکہ اپنے مقصد ریاست مدینہ، اہل ایمان اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مضرت پہنچانے میں مسلسل ناکامیوں کے سبب گویا پاگل ہوگئے تھے۔ مزید برآں اپنے معاشی، اقتصادی حالات کے دباؤ میں آکر چوں کہ کسی بڑے اقدام سے مجبور بھی تھے اس لئے جھنجھلا کر چھچھوری حرکات پر اتر آئے۔ اپنے مذموم مقاصد کے لئے وہ کسی بھی حد سے گزر سکتے تھے۔ چناں چہ ابوسفیان نے ایک دن قریش کے مجمع میں یہ کہا کہ کوئی شخص کیا (تم میں سے) ایسا نہیں ہے جو جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر آئے (حال آں کہ یہ کوئی مشکل کام بھی نہیں ہے) وہ (بغیر کسی پہرے کے) بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ چناں چہ ایک اعرابی نے آکر ابوسفیان سے کہا کہ میں اس کام میں بڑا ماہر ہوں اگر تم میری مدد کرو تو یہ کام کر کے آجاؤں۔ ابوسفیان نے اس کو ایک اونٹنی اور ضروری اخراجات کے لئے خرچ بھی دیا اور کہا کہ جاؤ یہ کام کر ڈالو۔ اعرابی ایک تیز دھار خنجر کے ساتھ رات کو ہی روانہ ہوا اور چھٹے دن صبح مدینہ منورہ جا پہنچا،

لوگوں سے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا اور تلاش کر کے بالآخر وہ مسجد بنی عبدالاشھل پہنچ گیا، جہاں آقائے مدینہ ﷺ جلوہ فرما تھے۔ اپنی اونٹنی کو باندھا اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آتا دیکھ کر فرمایا کہ یہ ضرور کسی بری نیت سے آرہا ہے، حضرت اسید بن حضیرؓ اٹھے اور اُس (اجرتی قاتل) کو جا پکڑا جو خنجر اپنے کپڑوں میں چھپائے ہوئے تھا، وہ خنجر چھوٹ کر ہاتھ سے گر گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ بتا کس نیت سے آیا ہے؟ اس نے کہا مجھے امن عطا ہو تو عرض کروں، آپ ﷺ نے فرمایا تجھے امن دیا گیا۔ اعرابی نے تمام واقعہ بیان کر دیا اور بتا دیا کہ ابوسفیان نے قتل کی غرض سے بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے سچ سچ بتانے پر اس کو چھوڑ دیا اور معاف کر دیا۔ اعرابی نے یہ معاملہ اور آپ ﷺ کی فیاضی و فراخی دیکھی تو مسلمان ہو گیا۔ (۶۶) اور کہنے لگا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کسی سے ڈرنے والا نہیں تھا مگر آپ ﷺ کو دیکھتے ہی (میری حالت غیر ہو گئی) عقل جاتی رہی اور دل کم زور پڑ گیا۔ مزید برآں آپ ﷺ میرے ارادے پر مطلع ہو گئے (جس کا میرے سوا کسی کو علم نہیں تھا) چناں چہ میں نے جان لیا اور پہچان گیا کہ آپ ﷺ مامون اور محفوظ ہیں اور یقیناً آپ ﷺ حق پر ہیں اور ابوسفیان کا گروہ تو شیطان کا گروہ ہے۔ آپ یہ سن کر مسکرانے لگے۔ اس کے بعد وہ اعرابی چند روز خدمت نبوی ﷺ میں رہ کر چلا گیا۔ (۶۷)

ممکن ہے بادی النظر میں اس واقعے کو معمولی سمجھا جائے لیکن یہ درحقیقت بہت اہم نوعیت کا تھا۔ قریش مکہ کی طرف سے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام دیا گیا کہ قریش کے دلوں میں ان کی طرف سے نفرت وعداوت ہنوز جاری ہے نیز یہ ہمت اور دیدہ دلیری دکھانا تھی کہ سربراہ مملکت مدینہ پر براہ راست حملہ کیا جا سکتا ہے اور پیغمبر اسلام کی شمع حیات کو گل کر دینے کی ایک پیشہ ور اجرتی قاتل کے ذریعے کوشش آئندہ بھی ہو سکتی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قریش مکہ کی طرف سے یہ جارحیت کی آخری کوشش تھی۔ یہ آخری کوشش (ذی قعدہ ۶ ھ میں) حدیبیہ روانگی سے ذرا پہلے غالباً شوال ۶ ھ کا واقعہ تھا، جو شخص آپ ﷺ کی جان لینے آیا تھا حلقہ بہ گوش اسلام ہو کر خود اپنی جان پیش گاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کر بیٹھا۔ اس آخری کوشش کا مدینے کی طرف سے بہ ہر حال جواب دیا جانا ضروری تھا، تا کہ قریش مکہ کو بھی یہ پیغام پہنچ جائے کہ باشندگان وحاکم ریاست مدینہ جاگ رہے ہیں۔

چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیۃ ضمریؓ اور حضرت سلمہ بن اسلم انصاریؓ پر مشتمل ایک مہم (سریہ) ابوسفیان (کی تادیب) کے لئے مکہ مکرمہ روانہ فرمایا، تا کہ وہ حضرات بھی بلا خوف

وخطر قلب شہر پہنچ کر کفار و مشرکین کے سردار ابوسفیان کو تلاش کریں اور موقع ملنے پر اسے قتل کر سکیں۔ (۶۸)

ابن سعد اور دوسرے مآخذ میں واقعے کی تفصیلات موجود ہیں اور مکمل روداد خود حضرت عمرو بن امیۃ الضمری کی زبانی منقول ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ پہنچ کر ان حضرات نے پہلے کعبۃ اللہ کی حاضری کو مقدم جانا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کے طواف کے دوران ہی ان دونوں حضرات (خصوصاً حضرت عمرو بن امتیہ الضمری کو جو زمانہ جاہلیت میں ان کے ہاں شیطان مشہور تھے) کو پہچان لیا گیا اور خصوصاً معاویہ بن ابوسفیان (۶۹) اور دیگر خاص لوگوں نے دیکھ کر سب کو ہی خبر کردی۔ اس کا نتیجہ بہ جائے خود صاف ظاہر تھا۔ عمرو بن امیۃ الضمری کو دیکھتے ہی قریش مکہ سمجھ گئے کہ ان موصوف کی آمد خالی از علت نہیں ہوسکتی۔ (۷۰) فوراً ہی ان کا تعاقب شروع ہوگیا اور یوں وہ دونوں حضرات اپنے ارادۂ (قتل) کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے اور واپس مدینے پہنچ کر پوری روداد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کردی۔ اسے سن کر آپ ﷺ خود محظوظ ہوئے۔ (۷۱)

(۹)

پیر ۲ ذی قعدہ ۶ ھ (مطابق ۱۴ مارچ ۶۲۸ء) (۷۲) کو صلح حدیبیہ کے لئے ظہر کے بعد بہ حالت احرام حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدینے (ذوالحلیفہ) سے ۱۵۰۰، ۱۶۰۰ مسلمانوں / مہاجرین وانصار صحابہ کرام کی معیت میں روانگی (۷۳) (بہ صورت خواب) حکم خداوندی کی تعمیل میں ہوئی (جس کا نہ صرف حوالہ بل کہ اس سے متعلق بہت کچھ تفصیلات قرآن کی سورۃ الفتح میں بیان کی گئی ہیں)۔ (۷۴) آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترم حضرت ام سلمہ تھیں اور آپ ﷺ اپنی اونٹنی قصواء پر رونق افروز تھے۔ اس مقدس سفر کا مقصد و مدعا زیارت بیت اللہ اور طواف کعبہ تھا۔ جس کی منادی پہلے سے کرادی گئی تھی۔ اس قافلۂ زائرین کے ہم راہ قربانی کے ستر اونٹ تھے۔ (جن میں ابوجہل کا وہ انت بھی تھا جو بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا)۔ صرف تلواریں ساتھ تھیں وہ بھی نیام میں بہ طور زادِ سفر۔ تاکہ عوام الناس کو معلوم ہو جائے کہ کسی قسم کی جنگ کے لئے نہیں بل کہ وہ سب محض بیت اللہ کی زیارت اور تعظیم کے لئے نکلے ہیں۔ (۷۵) بہ طور مقدمۃ الجیش آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳۰ سواروں کے ساتھ عباد بن بشر کو قافلے سے آگے روانہ فرمایا۔ (۷۶) جب کہ ان سے پہلے بسر بن سفیان الکعبی کو بہ طور جاسوسی کے آگے روانہ فرما چکے تھے۔

تمام تر احتیاط اور نیت واعلانِ زیارت کعبۃ اللہ کے باوجود، قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع سخت ناگوار گزری۔ انہوں نے جمع ہو کر طے کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی دوسرے مسلمان کو کسی قیمت پر حدود حرم میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ (۷۷) اور خالد بن ولید کی قیادت میں ۲۰۰ سواروں کا دستہ آپ کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے کراع الغیم تک آ چکا تھا۔ اس موقع پر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ افسوس، قریش کی حالت پر افسوس ہے کہ جنگوں نے انہیں توڑ کر رکھ دیا ہے (مگر پھر بھی انہیں عقل نہیں آئی) ان کا کیا بگڑتا اگر وہ عرب اور میرے درمیان سے ہٹ جاتے۔ اگر عرب مجھ پر غالب آ جاتے تو یہی وہ چاہتے ہیں لیکن اگر میں ان پر غالب آ جاتا تو وہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو جاتے لیکن اگر انہوں نے جنگ شروع کر دی جس کی قوت کا انہیں گمان ہے تو قریش نے میرے بارے میں کیا سمجھ رکھا ہے؟ خدا کی قسم جس نے مجھے مبعوث کیا ہے جہاد وقتال سے باز نہیں آؤں گا یہاں تک کہ اللہ اسلام کو غالب کر دے یا میں ہی اس میں کام آ جاؤں۔ (۷۸) چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کسی قسم کی جنگ کی نہیں تھی اس لئے کسی قسم کے ٹکراؤ سے بچنے کے لئے (ایک نامانوس پیچیدہ راستہ) اختیار کر کے (مکہ مکرمہ کی جانب مغربی سمت میں) حدیبیہ پہنچ کر قیام فرما ہوئے۔ (۷۹) ذرا اطمینان ہوا تو بنوخزاعہ کا سردار بدیل بن ورقاء الخزاعی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس سے بات چیت میں یہ واضح فرما دیا کہ آپ ﷺ صرف زیارت وطواف بیت اللہ کی غرض سے آئے ہیں اس کے علاوہ لڑائی وغیرہ کا کوئی مقصد نہیں ہے، نیز جو کچھ بشر بن سفیان سے کہا تھا وہ بھی دہرا دیا۔ بدیل نے قریش تک بات پہنچا دی اور یہ ہدایت بھی کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جلد بازی سے کام نہ لیں مگر قریش اسی بات پر اڑے رہے کہ وہ آپ ﷺ کو کسی قیمت پر حدود حرم میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ (۸۰) اس کے بعد قریش نے پہلے مکرز بن حفص کو وکیل بنا کر بھیجا بعد ازاں احابیش کے سردار حلیس بن علقمہ کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ مکرز نے بھی بدیل جیسا جواب دیا اور حلیس نے اپنی آنکھوں سے قربانی کے جانور مسلمانوں کے ساتھ دیکھے تھے۔ اس لئے وہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے بغیر ہی ساری بات سمجھ گیا اور قریش مکے سے غصے بھرے لہجے میں کہا کہ ہم نے تم سے اس بات پر تو قسم نہیں اٹھائی تھی کہ بیت اللہ کی تعظیم کرنے والوں کو آنے سے روکیں گے نہ اس پر معاہدہ کیا تھا کہ طواف کعبہ کی نیت سے آنے والوں کو داخل نہ ہونے دیں گے، پھر اس نے قسم کھا کر قریش کو متنبہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے زیارت بیت اللہ کے درمیان رکاوٹ نہ بنیں۔ (۸۱) نیز یہ دھمکی بھی اس نے دی کہ اس معاملے میں

احابیش میں سے کوئی فرد تمہارا ساتھ نہیں دے گا۔(۸۲) اس کے بعد قریش نے عروہ بن مسعود الثقفی جیسے زبان آور اور جہاں دیدہ کو خود اس کی اپنی خواہش پر وکیل بنا کر بھیجا۔ عروہ کو آں حضور ﷺ اور صحابہ سے بات چیت کا جو تجربہ ہوا اور آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عقیدت ومحبت کا جو منظر دیکھا، اس نے خود اس کو مبہوت کر دیا اور اس نے قریش سے جا کر اس کا نقشہ کھینچ دیا اور قریش سے کہہ دیا کہ تم جو چاہو رائے قائم کرو۔(۸۳)

ابن اسحاق کے مطابق پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خراش بن امتیہ الخزاعی کو قریش کی طرف پیغام دے کر بھیجا، مگر قریش نے اس کو اچھا نہیں سمجھا۔ خراش کے اونٹ کی کوچیں انہوں نے کاٹ دیں اور اگر احابیش بیچ میں نہ آجاتے تو سفیر رسول کو وہ قتل بھی کر دیتے۔(۸۴) خراش جان چھڑا کر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روداد سنائی۔ اسی اثنا میں قریش کی طرف سے ایک جارحانہ حرکت یہ ہوئی کہ ان کے ۴۰، ۵۰ آدمی رات کی تاریکی میں قافلہ زائرین پر حملہ آور ہوئے، تیر پھینکے اور پتھر چلائے۔ مسلمان پہلے سے ہشیار تھے ان سب کو پکڑ کر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اللہ کے رسول نے انہیں معاف کر کے واپس بھیج دیا۔(۸۵) صبر وآزمائش کا اگلا مرحلہ اس وقت آیا جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو اپنا سفیر بنا کر اشراف قریش کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ مسلمان زیارت بیت اللہ کے علاوہ کسی اور ارادے سے نہیں آئے ہیں۔(۸۶) حضرت عثمانؓ کو مکہ مکرمہ میں نہ صرف روک لیا گیا، بل کہ ان کے واپس آنے میں اتنی تاخیر ہوگئی کہ بالآخر یہ افواہ اڑ گئی کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ یہ خبر اور صورت حال، اہل ایمان اور خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ناقابل برداشت تھی۔ چناں چہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم قریش سے بدلہ لئے بغیر یہاں سے بالکل نہیں جائیں گے (۸۷) ''بیت الرضوان'' کا وہ تاریخی واقعہ پیش آیا جب کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے قصاص عثمان کے لئے وہاں موجود ایک ایک صحابی سے بیعت لی (علاوہ بنوسلمہ کے جد بن قیس)(۸۸) کہ وہ موت کی پرواہ کئے بغیر لڑنے مرنے پر تیار ہیں۔(۸۹)

قرآن کریم کی (۸۹/الف) میں اس بیعت اور اس کے متعلقات کو صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔ اصل الفاظ یہ ہیں: لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ فعلم مافی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم و اثابھم فتحاً قریباً مفہوم تقریباً یہ ہوا کہ اللہ ان مومنوں سے بہت خوش ہوا جنہوں نے درخت کے نیچے (خلوص نیت کے ساتھ بلا تامل جان کی بازی لگا دینے پر) اقرار

کرلیا۔ ان کے دلوں میں جو (خلوص نیت) تھا اسے اس نے معلوم کرلیا کہ انہوں نے صرف ایک تلوار کے بل بوتے پر، کسی جنگی ساز وسامان، ہتھیار وغیرہ کے بغیر بھی اپنے گھربار سے ڈھائی سو میل دور، اپنے صادق الا یمان ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کا بدلہ لینے کے لئے ان سے جہاد کی بیعت لی تو بلا ادنیٰ تامل لڑنے کے لئے تیار ہوگئے اور ان پر ہی اپنی سکینت نازل فرمائی، یعنی موت کا خوف ان کے دلوں سے نکال کر دشمن کے گڑھ میں ہونے کے باوجود مرنے مارنے پر تیار ہوگئے اور انہیں قریب کی فتح (فتح خیبر) عنایت فرمائی۔ (۹۰)

بیعت الرضوان (بے سر وسامانی کے) جن حالات میں ہوئی اور جس طرح اہل ایمان جان فروشی پر تیار ہوگئے۔ وہ شاید اہل مکہ کے لئے حیران کن تھا اور شاید یہی جوش وخروش ایمانی دیکھ کر وہ مرعوب و خوف زدہ ہوگئے اور نہ صرف یہ کہ حضرت عثمانؓ کو جلد سے جلد واپس اسلامی کیمپ میں جانے دیا بل کہ معاہدۂ حدیبیہ پر آمادہ ہوگئے۔ (۹۱) اور اس غرض سے سہل بن عمرو (۹۲) کو بھیجا اور خود سہل کی ہمت افزائی کے لئے حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص کو ہم راہ کیا وہ صلح نامے میں قریش کی طرف سے گواہ تھے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ صلح حدیبیہ دراصل بیعت الرضوان کا نتیجہ تھی اور بیعت الرضوان کا انعقاد حضرت عثمانؓ کا بہ طور سفیر رسول مکہ مکرمہ جانا اور روک لیا جانا باعث بنا۔ اور حضرت عثمانؓ کا تحریری پیغام کے ساتھ بھیجا جانا اتمام حجت کے لئے اور یہ سمجھانے کے لئے تھا کہ مسلمان پر امن ہیں اور ان کے یہاں آنے کا سبب صرف زیارت وطواف بیت اللہ ہے جس سے کسی عرب، غیر عرب، زائر کو نہیں روکا جاسکتا۔ جب کہ قریش کی ضد یہ تھی کہ مسلمانوں کا یہاں آنا اور زیارت کر کے چلا جانا، سارے عرب کو یہ پیغام دے گا کہ قریش مسلمانوں سے دب گئے اور مسلمان زبردستی اپنی مرضی کے مطابق زیارت کر کے چلے گئے، اس سے قریش کی بے عزتی اور سبکی ہوگی۔ اس لئے غیرت وحمیت جاہلیہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس سال مسلمان ہر حال میں واپس جائیں (اگر صلح ہوجائے تو اگلے سال آسکتے ہیں)۔ بالفرض اگر صلح (حدیبیہ) کا انعقاد نہ ہوتا تو یقیناً جنگ ہوتی۔ جنگ کی صورت میں قریش کی بے عزتی ضرور ہوتی کہ خلاف دستور انہوں نے زیارت کعبہ سے لوگوں کو محروم کیا جو ناجائز ہے۔ اس صورت میں انہیں عرب کی عموماً مخالفت مول لینی پڑتی اور احابیش وغیرہ کی خصوصاً۔ علاوہ ازیں جنگ کا نتیجہ قریش کے حق میں نکلنے کی کیا ضمانت تھی؟ بل کہ ان کے خلاف نکلنے کے امکانات زیادہ تھے اور موقف کی کم زوری کے سبب ان کی اخلاقی شکست یقینی تھی۔ دوسری طرف جنگ کی صورت میں مسلمانوں کو دینی، اخلاقی، عملی فتح حاصل ہونا یقینی تھا۔ سورہ فتح میں اللہ

کی طرف سے یہ ضمانت دی گئی تھی:

ولو قتلکم الذین کفروالولو الادبار ثم لایجدون ولیاً ولا نصیراً (۹۲/الف)

یہ کافرلوگ اگر اس وقت تم سے لڑ گئے ہوتے تو یقیناً پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے۔اور کوئی حامی ومددگار نہ پاتے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان صرف اس لئے جنگ سے گریز کررہے تھے کہ حالت احرام میں مکہ مکرمہ حاضری کا مقصد صرف طواف وزیارت بیت اللہ تھا، دوسرے جنگ ہونے کی صورت میں اس بات کا خدشہ تھا کہ مکے میں اس وقت جو اہل ایمان آباد تھے ان کی جان ومال کو کوئی گزند اور نقصان نہ پہنچے۔چناں چہ آگے فرمایا:

ولولا رجال مومنون ونسآءٌ مومنت لم تعلموھم ان تطوھم فتصیبکم منھم معرۃ بغیر علم لیدخل اللہ فی رحمتہ من یشآء لوتزیلوا لعذبنا الذین کفروا منھم عذاباً الیما (۹۲/ب)

اگر (مکے میں) ایسے مومن مرد وعورت موجود نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ نادانستگی میں تم انہیں پامال کردو گے اور اس سے تم پر حرف آئے گا (تو جنگ نہ روکی جاتی روکی وہ اس لئے گئی) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرلے۔ وہ مومن الگ ہوگئے ہوتے تو (اہل مکہ میں سے) جو کافر تھے ان کو ہم ضرور سخت سزا دیتے۔(۹۳)

اب تک کی تفصیلات سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زیارت بیت اللہ، طوافِ کعبہ، حلق وقصر کے ساتھ بہ حالت امن مکہ مکرمہ میں عمرے کی ادائیگی کا خواب دیکھنا الفاظ قرآنی کے مطابق (لقد صدق اللہ رسولہٗ الرویا بالحق) سچ ثابت ہوا۔اس خواب کو عملی جامہ پہنانے کے لئے عمرے کی ادائیگی کے لئے سفر مکہ کے اعلان منادی کے بعد ۱۴۰۰ مسلمانوں کے ساتھ (بہ قول مشہور) سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ حالت احرام مع ہدی مدینہ طیبہ سے روانگی، جب کہ قریش مکہ کا مطلع ہونے کے بعد آں حضرت اور دوسرے زائرین مدینہ کو حدود حرم میں داخلے سے بہ زور قوت روکنا، خالد بن ولید کے دستے کی پیش قدمی لیکن غایت تدبیر سے کام لے کر سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی قسم کے تصادم سے بچنے کے لئے راستہ بدل کر حدیبیہ میں قیام اور سفیروں کے تبادلے کے نتیجے میں قریش مکہ کو صلح حدیبیہ پر آمادہ کرنا، شرائط معاملات کتابت اور بالآخر صلح کا انعقاد یہ تمام واقعات ومراحل آپس میں مربوط ومتعلق ہیں اور اس نتیجے

تک پہنچاتے ہیں کہ صلح حدیبیہ صرف فتح مکہ کا دیباچہ ومقدمہ ہی نہیں دراصل اپنی کنہ وحقیقت میں فتح مکہ ہی تھی۔ چناں چہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دوسرے صحابہ سے یہ قول مروی ہے:

انکم تعدون الفتح فتح مکة ونحن نعدالفتح الحدیبیة (۹۴)

تم لوگ فتح مکہ کو ہی فتح سمجھتے ہو لیکن ہم تو صلح حدیبیہ کو ہی فتح (مکہ) شمار کرتے ہیں

اور حضرت جابر سے روایت ہے کہ ما کنا نعد الفتح الا یوم الحدیبیه (۹۵) ''ہم لوگ صرف یوم الحدیبیہ کو ہی فتح شمار کرتے ہیں'' اور بخاری میں حضرت براءؓ سے روایت ہے تعدون انتم الفتح فتح مکة وقدکان فتح مکة فتحاً ونحن نعدا الفتح بیعة الرضوان یوم الحدیبیة (۹۶) ''تم لوگ فتح فتح مکہ ہی سمجھتے ہو کہ فتح مکہ ہی اصلاً فتح تھی لیکن ہم اصلاً فتح یوم الحدیبیہ کے دن بیعت الرضوان کو ہی شمار کرتے ہیں''۔ پھر یہ فتح بھی کیسی، پرامن فتح، ہلاکت خون ریزی ظلم وزیادتی کے بغیر اس پرامن فتح مکہ کا راستہ صلح حدیبیہ کے انعقاد سے ہی ممکن ہوا۔ نیز اس دشمن شہر کی نہ مسلم آبادی کے ارکان کو کوئی نقصان پہنچا نہ غیر مسلم آبادی کی اکثریت کو ظلم وتشدد، اغوا، آبروریزی، چوری ڈکیتی اور خون ریزی وہلاکت کا سامنا کرنا پڑا۔

اس مرحلۂ اختتام پر مناسب ہوگا کہ صلح حدیبیہ کے دستاویزی مندرجات اور معاہدۂ حدیبیہ میں شامل اہم دفعات کا خلاصہ پیش کردیا جائے۔ تاکہ معلوم ہوسکے کہ مکہ مکرمہ کی پرامن فتح کے لئے کن شرائط اور رہنما اصولوں کو زیر بحث لایا گیا اور عملی طور پر حصول مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی۔ بہ طور دستاویز، صلح حدیبیہ کے مندرجات معاہدے کی دفعات کو قریش مکہ کے وکیل سہیل بن عمرو اور قائد حزب اسلامی، حکمران ریاست مدینہ، سید وسرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم محمد بن عبداللہ علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کے درمیان گفتگو، مذاکرات، طے ہونے کے بعد ضبط تحریر میں لایا گیا۔ معاہدے کو اصلاً حضرت علیؓ نے تحریر فرمایا اور اس کی ایک نقل سہیل بن عمرو کو دی گئی۔ مسلمانوں کی طرف سے اس کے گواہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت محمد بن مسلمہؓ تھے، جب کہ قریش کی طرف سے گواہ حویطب بن عبدالعزیٰ، مکرز بن حفص تھے۔ اس کی تفصیل اسلامی تاریخ وسیر کے اہم مآخذ ابن ہشام، ابن سعد وغیرہ اور بخاری، مسلم، مسند احمد، مصنف ابن شیبہ امستدرک حاکم وغیرہ احادیث کی مشہور ومتداول کتابوں میں بہ تکرار منقول ہے۔ یہاں طوالت اور تکرار سے بچنے کے لئے معاہدے کی اہم دفعات کو ذیل میں بیان کیا جارہا ہے۔ (۹۶/ الف) میں مزید اختصار سے کام لیا ہے۔ جب کہ ڈاکٹر حمید اللہ نے (۹۶/ ب) قدرے تفصیل برتی ہے۔ ترتیب وپیشکش ہماری ہے۔

۱۔ (محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو دونوں فریق نے اس بات پر صلح کرلی ہے کہ) دس سال تک جنگ بندی رہے گی۔ کہ (ہر جگہ) لوگ امن وامان سے رہیں اور ایک دوسرے پر دست درازی سے گریز کریں۔ (۹۷)

۲۔ قریش کا جو شخص اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے گا تو اسے ان (قریش) کی طرف واپس لوٹا دیا جائے گا۔ (لیکن) جو (محمد) صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں (لوگوں) میں سے قریش کے پاس آجائے گا وہ (قریش) اسے نہیں لوٹائیں گے۔ (ہم میں باہم سینے ہر طرح بند رہیں گے کہ باہر سے غدار داخل نہ ہو سکے، اور نہ خفیہ کسی دوسرے کی مدد کی جائے گی نہ خود عہد وفا سے غداری ونافرمانی۔) (۹۸)

۳۔ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاہدے اور ذمے داری میں داخل ہونا چاہتا ہے، داخل ہو سکے گا اور جو قریش کے معاہدے اور ذمے داری میں داخل ہونا چاہتا ہے وہ بھی ایسا کر سکے گا۔ (اس کے مطابق قبائل خزاعہ نے اٹھ کر کہا کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عہد اور ذمے داری میں شامل ہوتے ہیں اور بنوبکر نے مواثبت/ مطابقت کرتے ہوئے کہا کہ ہم قریش کے عہد اور ذمے داری میں شریک ہوتے ہیں۔) (۹۹)

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال (بغیر عمرے وزیارت کعبہ کے) ہمارے پاس (اس شہر اس جگہ) سے واپس چلے جائیں گے (اور حرم مکہ میں) داخل نہیں ہوں گے۔ البتہ اگلے سال ہم لوگ (کفار ومشرکین) یہاں (مکہ) سے باہر نکل آئیں گے (پس اس وقت) آپ اور آپ کے ساتھی مکے میں داخل ہوسکیں گے۔ تین دن ٹھہریں گے۔ آپ کے ہم راہ سوار کا ہتھیار ہوگا (یعنی تلواریں نیام میں پڑی ہوں)۔ کوئی اور ہتھیار (تلوار کے علاوہ) لے کر داخل نہ ہوسکیں گے۔ (۱۰۰)

۵۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ میں سے جو حج، عمرے یا تجارت کے لئے مکہ آئے تو اس کی جان ومال کو امان ہوگا، اور قریش کا جو شخص تجارت کے لئے مصر یا شام جاتے ہوئے مدینے سے گزرے تو اسے جان ومال کا امان حاصل ہوگا۔ (۱۰۱)

۶۔ قربانی کے جانور وہیں رہیں گے جہاں ہم نے ان کو پایا (یعنی حدیبیہ میں) اور ان کو یہیں حلال کردیا جائے گا اور ان کو ہمارے پاس (مکہ میں قربانی کے لئے) نہیں لایا جائے گا۔ اور صراحت ہے کہ ہمارے اور تمہارے حقوق برابر کے ہوں گے۔ (۱۰۲)

صلح حدیبیہ کے یہ تمام نکات جس طرح فریقین میں گفتگو کے بعد طے ہوئے اور لکھے گئے اس کا منظر سب کے سامنے تھا، خصوصاً سہیل بن عمرو کا ناشائستہ انداز، بل کہ ضد، ہٹ دھرمی اور بات بے بات صلح سے انکار گستاخانہ تھا۔ ظاہر یہ ہورہا تھا کہ مسلمانوں نے گویا دب کر صلح کی ہے اور قریش کا پلہ بھاری تھا، لیکن صحابہؓ کی طرف سے جذباتی شدت اس وقت آگئی جب عین اس وقت جب کہ معاہدہ لکھا جارہا تھا سہیل کے صاحب زادے حضرت ابوجندلؓ جو اسلام لاچکے تھے اور مکے میں کافروں نے انہیں قید کر رکھا تھا اور طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے کسی طرح بھاگ کر پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے آئے اور سب کے سامنے گر پڑے۔ سہیل نے کہا ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے اس ابوجندلؓ کو شرائط صلح کے مطابق مجھ کو واپس دے دو۔'' آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ابھی معاہدہ قلم بند نہیں ہوا۔ سہیل نے کہا تو ہم کو صلح بھی منظور نہیں۔ مجبوراً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کرنا پڑا۔ ابوجندل کو کافروں نے اس قدر مارا تھا کہ ان کے جسم پر نشان تھے، مجمع کے سامنے تمام تر زخم دکھائے اور کہا برادران اسلام کیا پھر مجھ کو اسی حالت میں دیکھنا چاہتے ہو، میں اسلام لاچکا ہوں کیا پھر مجھ کو کافروں کے ہاتھ میں دیتے ہو۔ تمام مسلمان تڑپ اٹھے۔ حضرت عمر ضبط نہ کرسکے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا یا رسول اللہ کیا آپ پیغمبر برحق نہیں ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا ''ہاں ہوں''۔ حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم حق پر نہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں ہم حق پر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں، آپ ﷺ نے فرمایا میں خدا کا پیغمبر ہوں، خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کرسکتا، خدا میری مدد کرے گا۔ (۱۰۳) یہ واقعہ اور تفصیلات بخاری مسلم اور تاریخ وسیر کے تمام ماخذ میں موجود ہیں۔ جس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ کس نازک صورت حالات میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے معاملات میں صرف وقتی مصلحت کو ہی پیش نظر نہیں رکھا بل کہ مستقبل بھی آپ کی نگاہ پیغمبرانہ سے اوجھل نہ تھا۔ آپ ﷺ نے ابوجندل کو تلقین فرمائی ''ابوجندل صبر اور ضبط سے کام لو۔ خدا تمہارے لئے (دوسرے) مظلوموں کے لئے (ضرور) کوئی راہ نکالے گا۔ صلح اب ہوچکی اور ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کرسکتے۔'' (۱۰۴) اور کچھ دنوں کے بعد ہی حضرت ابوجندلؓ نے خلاصی کی راہ نکلتے خود دیکھ لی۔ (۱۰۵)

اداس لمحوں کا بادل جلد ہی چھٹ گیا۔ قربانی حلق وقصر کے بعد حدیبیہ میں قیام فرمانے کے بعد آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے لئے سفر اختیار فرمایا تو اثنائے راہ میں ہی ''سورۃ الفتح'' (انا فتحنا لك فتحاً مبینا نازل ہوئی۔ یہ نزول قرآن کا ایک عظیم الشان موقع تھا۔ (۱۰۶) اللہ کے دین اور اللہ

کے رسول کی سرفرازی کا فتح باب اور فتح مبین کی جلوہ سامانیوں کا آغاز تھا۔ سورۃ الفتح کا رر سالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نشوو ارتقا کو بیان کرتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی زندگی کے اس مقام بلند کا اظہار ہے، جب کہ آپ ﷺ کے اگلے پچھلے تمام گناہوں کو اللہ کی طرف سے معاف کر کے آپ ﷺ کو معصوم عن الخطاء قرار دیا گیا (اس منصب عالی پر پہنچنے کے باوجود آپ کا شوق عبادت وریاضت یہ فرماتے ہوئے دوچند ہو گیا کہ افلا اکون عبداً شکورا) (۱۰۷)۔ یہ سورت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دل وجان سے زیادہ عزیز تھی، بل کہ حدیث کے مطابق دنیا ومافیھا سے بڑھ کر پسندیدہ تھی۔ (۱۰۸) اسی صورت میں ان اہل ایمان کی روحانی ترقی اور علو مرتبت کو بھی بیان کیا گیا ہے، جنہوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر بیعت الرضوان کی سعادت حاصل کی۔ سورۃ اس سعادت سے بہرہ ور ہونے والوں کو اللہ کی رضا وخوش نودی کی ہی بشارت نہیں سنائی، بل کہ جنت میں داخلے اور فوزاً عظیماً (عظیم الشان کامیابی) پر مطلع کرتی ہے۔ (۱۰۹) اس سورت کا نزول بعض صحابہ کے اس خلجان کو بھی دور کرنے کا سبب بنا جن کے دل بعض واقعات کے سبب مغموم تھے، لیکن حمیت دینی سے سرشار تھے۔ مولانا شبلی کے بہ قول مسلمان جس چیز کو شکست سمجھتے تھے خدا نے اس کو فتح کہا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے، انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہ فتح ہے؟ ارشاد ہوا کہ ''ہاں''۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمرؓ کو تسکین ہوگئی اور مطمئن ہو گئے، نتائج مابعد نے اس راز سربستہ کی عقدہ کشائی کی۔ (۱۱۰)

اب ذرا صلح حدیبیہ کے مندرجات طے شدہ نکات پر نظر ڈالیئے تو اندازہ ہوگا کہ اس میں جن امور کو زیر بحث لایا گیا، وہ فریقین کے حوالے سے فوری حل طلب مسائل تھے۔ مثلاً صلح حدیبیہ کی دفعہ اول فریقین کے درمیان دس سالہ جنگ بندی کی نوید سناتی ہے۔ (۱۱۱) اگرچہ یعقوبی نے اس کی مدت تین سال لکھی ہے۔ (۱۱۲) اور عیون الاثر کی ایک روایت میں مدت صلح واللہ عالم کے لاحقے کے ساتھ دو سال بھی مذکور ہے۔ (۱۱۳)) فوری جنگ بندی اور امن کا قیام نہ صرف فریقین کی حقیقی ضرورت تھی بل کہ پورے خطے اور جزیرہ نمائے عرب کے لئے بھی اولین ضرورت تھی۔ جنگوں نے جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں داخلے سے پہلے بشر بن سفیان الکعبی کے ذریعے قریش کو بھیجے جانے والے خیر سگالی پیغام میں فرمائی تھی کہ ''جنگوں نے قریش کو توڑ کر رکھ دیا ہے''۔ (۱۱۴) اور ان کی معاشرت ومعیشت کو سخت نقصان پہنچایا تھا، خصوصاً ان کے تجارتی قافلوں کی بندش اور معاشی سرگرمیوں کی محدودیت نے نیز جنگوں میں ان کے صف اول کے سرداروں، رہنماؤں کے کام آجانے کے بعد مشکلات کا سامنا تھا۔ جب کہ دوسری

طرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہات کا بڑا میلان قریشی جارحیت کے خلاف اقدامات پر تھا۔ نیز یہودِ مدینہ کے استیصال کے بعد یہود خیبر کی سرزنش باقی تھی۔ اور چوں کہ یہود خیبر کا خطرہ شمال میں تھا اور قریش کی طرف سے خطرہ جنوب کی سمت تھا، اس لئے قریش سے جنگ بندی کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودی خطرہ سے نمٹنے کا موقع بہ فراغت مل سکتا تھا۔ (۱۱۵) چناں چہ یہی ہوا کہ صلح حدیبیہ میں قریش سے جنگ بندی کے بعد (اواخر ذی قعدہ میں) مکہ سے واپس آنے کے بعد معمولی وقفے کے بعد ہی محرم ۷ھ/مئی ۶۲۸ء میں اس التزام کے ساتھ فتح خیبر کے لئے روانہ ہوئے کہ فوج کشی میں صرف اُن ہی مجاہدین نے حصہ لیا جو زائرین عمرۃ الحدیبیہ میں شامل تھے۔ علاوہ ازیں صلح حدیبیہ کے بعد ہی حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا عالمی تبلیغی مشن شروع ہوا۔ لہٰذا اہم بات یہ تھی کہ کئی سالوں کی خوں ریز جنگوں کے بعد قیام امن کو یقینی بنانے کی کوششیں فریقین کے لئے بھی ضروری تھیں اور پھر امن و امان فریقین کے مخصوص علاقوں تک کے لئے ہی نہیں بالواسطہ طور پر پورے عرب کے لئے خوش گوار ہوا کا جھونکا تھا۔

صلح حدیبیہ کی دفعہ دوم کا خلاصہ مولانا شبلی کے الفاظ میں یہ تھا کہ کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینے جائے تو واپس کر دیا جائے (گا)۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مکے (میں) جائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔ (۱۱۶)

یہ دفعہ قریش کے مفید طلب تھی اس لئے انہوں نے اس پر بڑا اصرار کیا اور اس سے فائدہ اٹھا کر (سہیل بن عمرو نے اپنے مسلمان صاحب زادے ابوجندلؓ کو مسلمانوں کے پاس جانے سے روکا تھا جو کفار کے ظلم و ستم کی تصویر بنے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے فریاد کناں تھے کہ باپ کے چنگل سے چھڑا کر اپنے ساتھ مدینہ لے چلیں، چوں کہ مسلمان اس دفعہ کی تعمیل میں ابوجندلؓ کو ظالموں کے ہاتھوں میں جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے اس لئے جذباتی اعتبار سے یہ محسوس کر رہے تھے کہ گویا دب کر صلح کی جا رہی ہے جب کہ سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھی شاید ابوجندل اور مسلمانوں کی بے کسی و بے بسی دیکھ کر دل میں ایک گونہ مسرت محسوس کر رہے ہوں گے بل کہ ممکن ہے اُن کے سر فخر سے بلند ہو گئے ہوں کہ انہوں نے سفارتی برتری حاصل کر لی ہے)۔ اس موقع پر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجندل کو صبر و تحمل کی تلقین کے ساتھ یہ امید ظاہر کی تھی کہ اللہ ان کے نجات کی کوئی نہ کوئی صورت ضرور نکالے گا۔ نیز مجموعی طور پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دفعہ کے بارے میں یہ تبصرہ ارشاد فرما چکے تھے کہ صحیح مسلم میں حضرت انس سے مروی ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شرط پر صلح کیسے کی جائے کہ ہم میں سے جو ان کی

طرف چلا جائے تو اس کو واپس نہ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہاں جو شخص ہم میں سے ان سے جا ملے ہمیں اس کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی رحمت سے دور پھینک دیا، اور ان میں کا جو شخص مسلمان ہو کر ہماری طرف آئے گا اگر چہ ازروئے معاہدہ واپس کر دیا جائے لیکن گھبرانے کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ قریب ہی اس کیلئے نجات کی کوئی صورت ضرور پیدا فرمائے گا۔ (۱۱۷)

حضرت ابو جندلؓ جیسے مخلص مگر مجبور و بے کس بے بس مسلمانوں کے لئے اللہ نے کافروں ظالموں کے ظلم و ستم سے نجات اور گلو خلاصی کی صورت، آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توقع کے مطابق جلد ہی سامنے آ گئی۔ لیکن اس کی تفصیل میں جانے سے پہلے یہ امر قابل ذکر ہے کہ متذکرہ دفعہ دوم جس کو بہانہ بنا کر کتابت کے لئے وقت ابو جندل کو قبضے میں لینے پر اترا رہے تھے، جب نئی صورت نجات پیدا ہوئی تو خود ہی پناہ مانگنے لگے اور مجبوراً معاہدے کی یہ شق ختم کرنے میں عافیت محسوس کی اور اپنے اوپر فخر و غرور کی جو گرد جمالی تھی خود ہی جھاڑ دی۔

ابن ہشام کے مطابق آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لے آنے کے بعد ہی مکہ مکرمہ میں محبوس ایک مسلمان حضرت ابو بصیرؓ (عتبہ بن اسید بن جاریہ) بھی بھاگ کر مدینہ آ گئے قریش کی طرف سے ازھر بن عبد عوف اور اخنس بن شریف نے فوراً ہی ان کی واپسی کے مطالبے پر مشتمل ایک خط ایک قاصد اور غلام کے ہم راہ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے ابو بصیر کو بلا کر کہا کہ یہ لوگ تمہیں لینے آئے ہیں ہم عہد کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ اللہ تمہاری نجات و گلو خلاصی کا موقع پھر پیدا کرے گا، ابھی تم ان کے ساتھ جاؤ۔ ابو بصیر ان دونوں کے ساتھ گئے لیکن ذوالحلیفہ پہنچ کر قاصد کی تلوار سے ہی اس کا کام تمام کر دیا۔ غلام بھاگا بھاگا آپ ﷺ کی خدمت میں آ کر شاکی ہوا۔ پیچھے پیچھے ابو بصیر بھی تلوار سمیت خدمت اقدس میں پہنچ گئے اور عرض کیا یارسول اللہ وفت ذمتك وادى الله عنك اسلمتنى بيد القوم وقد امتنعت بدينى ان افتن فيه او يعبث بى "یارسول اللہ آپ ﷺ نے تو ذمے داری پوری فرما دی اور مجھے ان کے حوالے کر دیا تھا، اب اللہ نے مجھے ان سے نجات دلا دی ہے، اب اگر میں واپس مکہ جاؤں تو مجھے پھر سے آزمائشوں میں ڈالیں گے یا دین سے پھر جانے پر مجبور کریں گے (اب ظاہر ہے کہ آپ کی ذمے داری نہیں رہی نہ میرا ان سے معاہدہ ہے) آپ ﷺ نے بڑا معنی خیز جملہ ارشاد فرمایا ويل امه محش حرب لو كان معه رجال۔ "اگر اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی مل گئے تو یہ تو جنگ بھڑکا دے گا" اس کے بعد (یہ اشارہ ان کے لئے کافی تھا) وہاں سے نکلے اور سمندر ساحل کے قریب "عیص" کو اپنا مستقر قرار دے دیا (۱۱۸) پھر وہاں قریب کے تجارتی شامی راستے پر گزرنے والے

قافلوں پر چھاپے مارنے لگے۔ اس کی خبر مکہ مکرمہ میں محبوس دوسرے مسلمانوں کو ہوئی تو آہستہ آہستہ وہ بھی یہاں جمع ہونے لگے یہاں تک کہ ان کے پاس ستر آدمیوں کا ایک جتھہ ہو گیا (۱۱۹) قافلوں پر دست درازی اور کسی کو موت کے گھاٹ اتارنا مشکل نہ رہا۔ یہ صورت حال قریش کے لئے سخت پریشان کن تھی، چناں چہ انہیں خدمت نبوی میں اس عاجزانہ درخواست کے ساتھ مراسلہ بھیجنا پڑا کہ آپ ﷺ کو رحم وقرابت کا واسطہ! آپ ابوبصیر اور ان کی جماعت کو مدینہ بلالیں اور جو شخص ہم میں سے مسلمان ہو کر آپ کے پاس پہنچے گا ہم کچھ نہ کہیں گے چناں چہ وہ تمام مدینہ منورہ چلے آئے (ابوبصیر کا وہیں انتقال ہو گیا تھا)۔ (۱۲۰)

صلح حدیبیہ کی اس دفعہ دوم کا اطلاق قریش کو ان مسلمان عورتوں (صحابیات) کے بارے میں بھی کوئی فیض نہ پہنچا سکا، جو مکہ مکرمہ سے بھاگ کر مدینے آ پہنچی تھیں۔ اہل مکہ نے از روئے شرط معاہدہ ان کی واپسی کا مطالبہ کیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جواب نے ہی ان کے منہ بند کر دیئے کہ شرط معاہدہ کا اطلاق عورتوں پر نہیں ہوتا (صرف مردوں پر ہوتا ہے) پھر اس کی تاکید وحی الٰہی کے ذریعے سورۃ الممتحنہ میں بھی آ گئی۔ ''اے ایمان والو جب مسلمان عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو ان کا امتحان کر لو کہ کس لئے ہجرت کی ہے پس اگر تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ واقعتاً مومن ہیں تو پھر ان کو کافروں کی طرف مت لوٹاؤ۔ یہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال نہیں اور نہ وہ کافر ان کے لئے حلال ہیں''۔ (۱۲۰/ الف)

صلح حدیبیہ میں شامل تیسری شرط کے مطابق قبائل خزاعہ علی الاعلان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اور ذمے داری میں شامل ہوئے تھے اور بنوبکر نے قریش کے ساتھ عہد میں داخل ہونے کا اقرار کیا تھا۔ خزاعہ اور بنوبکر کے درمیان ایام جاہلیت سے رقابتیں اور لڑائیاں چلی آ رہی تھیں۔ البتہ ۶ ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر وقتی طور پر ان کے درمیان دشمنی ورقابت کی آگ دب گئی تھی جسے دوبارہ بھڑکنے میں تقریباً دو سال لگے جب کہ جنگ کی پہل بنوبکر کی طرف سے ہوئی۔ اور پھر یہی قضیہ بالآخر غزوہ عام الفتح پر منتج ہوا۔

اس کی تفصیل کا ظاہر ہے یہاں موقع نہیں یہ ہمارے آخری مباحث کا موضوع ہوگا۔

صلح حدیبیہ کی چوتھی شق کا ایک حصہ تو اس وقت حالات کے دوش پر رواں دواں تھا۔ قریش نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے مسلمانوں کو زیارت بیت اللہ اور طوافِ کعبہ سے محروم رکھا۔ قریش کی تیاریاں یہ تاثر پیش کر رہی تھیں کہ وہ جنگ کے لئے تیار ہیں۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حکمت عملی اور مفاہمانہ طرزعمل کے ذریعے ان کی ہر چال ناکام بنا دی اور ان کی بار بار کی اشتعال انگیزیوں کے باوجود صحابہ کرام کو [illegible] میں پرامن رکھا اور یہ الزام اپنے سر نہیں آنے دیا کہ مسلمان جنگ کے ارادے سے آئے

ہیں۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر وتحمل سے کام لیا۔ حدیبیہ میں قیام فرماہوتے ہوئے قربانی حلق وقصر کے ارکان کی ادائیگی، دوران قیام بیعت الرضوان کا انعقاد اور آخر کار قریش سے مذاکرات کے بعد معاہدہ صلح کی نقل وکتابت کی تمام ذمے داریاں ادا کی گئیں۔

دفعہ چہارم کا دوسرا حصہ چوں کہ اگلے سال میں عمرے کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ جانے، وہاں تین دن قیام اور ارکان عمرے کی ادائیگی سے متعلق تھا، اس لئے عملاً اس کی ادائیگی ذی قعدہ ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے عنوان سے مکمل کیا گیا اور تکمیل طے شدہ طریقہ کار کے مطابق انجام پذیر ہوئی۔ جس میں دفعہ ۶ھ کے مطابق بھی قربانی کا عمل حدیبیہ حرم کے حدود میں انجام دیا گیا۔

صلح حدیبیہ کی دفعہ پنجم اُس کشیدہ ماحول میں جس کو ختم کرنے کا باعث بنی۔ آزادانہ میل جول، امن وامان کی فضا اور تجارت وزیارت کے لئے نقل وحرکت، لوگوں کو آگے بڑھنے، ایک دوسرے کو سمجھنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا ہوئے۔ خاص طور سے کفار ومشرکین عرب کی مدینہ طیبہ آمد، مسلمانوں سے ملنے جلنے اور دین اسلام اور اس کے علم برداروں کو قریب سے دیکھنا بہ جائے خود فروغ اسلام کی پیش قدمی اور دین حق کی طرف میلان عوام کی علامت بن گیا۔ اس نکتے کی کچھ تفصیل اثرات وثمرات کے تحت زیر بحث آئے گی۔

(۱۱)

صلح حدیبیہ کے اثرات اور نتائج وثمرات پر مختلف زاویوں سے اکثر وبیشتر لکھا گیا ہے۔ تاہم قرآن کی سورۃ الفتح کا نزول اور اس میں صلح حدیبیہ اور اس کے متعلقات بیعت الرضوان وغیرہ پر بیان وتبصرہ مستند اور اہم ترین ہے۔ اس سورہ میں صلح حدیبیہ کو "فتح المبین" قرار دیا گیا۔ جس کی حقیقت ومعنویت بہ تدریج سامنے آتی چلی گئی اور صحابہ کے دلوں میں اس کی قدر ومنزلت، اور ازدیاد ایمان وسکینت کا باعث ہوئی۔ صلح حدیبیہ کے نتیجے میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور دیگر علاقوں میں ایک ایسا مثبت سازگار ماحول پیدا ہوا، جس نے اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں سے عوام الناس کی قربت ومودت اور جاہلانہ، کافرانہ مشرکانہ طرز فکر وعمل سے ایک گونہ نفرت عام ہوئی۔ چناں چہ اسلام کی شہرت کے ساتھ مقبولیت اور جاذبیت نے لوگوں کو بڑے پیمانے پر متاثر کیا۔ مولانا شبلی رقم طراز ہیں "اب تک مسلمان اور کفار ملتے جلتے نہ تھے اب صلح کی وجہ سے آمد ورفت (آزادانہ) شروع ہوئی خاندان اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ میں آتے، مہینوں قیام کرتے اور مسلمانوں سے ملتے جلتے تھے۔ باتوں باتوں میں اسلامی مسائل کا تذکرہ آتا رہتا تھا اس کے ساتھ ہر مسلمان

خلوص، حسن عمل، نیکوکاری، پاکیزہ اخلاق کی ایک زندہ تصویر تھا جو مسلمان مکے جاتے تھے، ان کی صورتیں یہی مناظر پیش کرتی تھیں، اس سے خود بہ خود کفار کے دل اسلام کی طرف کھینچے آتے تھے۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس معاہدہ صلح سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ کبھی نہیں لائے تھے۔ حضرت خالد بن ولید (فاتح شام) اور حضرت عمرو بن العاص (فاتح مصر) کا اسلام بھی اسی زمانے کی یادگار ہے۔ (۱۲۱)

ابلاغ حق، تبلیغ دین اور اللہ کے بندوں کو اطاعت ربانی کے لئے تیار کرنا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض رسالت میں شامل تھا اور ہر حال میں دین حق کی بالادستی کے لئے سعی وجہد آپؐ کے مشن کا ہدف تھا۔ فروغ اسلام کی تیز رفتاری سے ظاہر ہو رہا تھا کہ منصب رسالت تکمیلی مراحل کی طرف گام زن ہے۔ سورۃ الفتح کا (صلح حدیبیہ کے فوراً بعد) نزول ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی زندگی میں روحانی ارتقا کو ثابت کرتا ہے جس کے تحت ان کے اگلے پچھلے تمام گناہوں کی مغفرت، اتمام نعمت، اور صراط مستقیم پر قائم ودائم رہنے کی قطعی ضمانت سے سرفراز کیا گیا، نیز مسلمانوں کو پیہم کامیابیوں کی بشارت اور الفوز العظیم جنت تک رسائی بہ طور انعام واکرام مقدر کر دی گئی (نزول قرآن کا سلسلہ ہنوز جاری تھا، سورۃ البقرہ، آل عمران، الانفال، النساء، اور پھر الاحزاب میں بہ تدریج عقائد وعبادات کے بعد معاملات میں رہ نمائی اور معاشرتی احکام کا نفاذ مدنی معاشرے کی صورت گری کر رہا تھا۔)

جنگ خندق (ذی قعدہ ۵ھ) کے بعد یہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ ریاست مدینہ مطلع سیاست عرب پر ایک فیصلہ کن قوت بن کر ابھر چکی تھی۔ مزاحم قوتیں بہ شمول مشرک، کافر، یہود بار بار ٹکرا کر دیکھ چکی تھیں کہ مملکت اسلامی کا بال بیکا نہیں کیا جا سکتا۔ خاص طور پر قریش مکہ کی طرف سے اسے مٹانے کی تمام تر کوششیں اس درجے ناکام ونامراد ہو چکی تھیں کہ آئندہ کے لئے انتقامی کارروائی کا ان میں دم خم باقی نہ رہا تھا۔ اس پس منظر میں الہامی خواب کے نتیجے میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرے کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ روانگی پر قریش کی بے وجہ تشویش اور بے جا مزاحمت، اشتعال انگیز کارروائیاں اور (بیعت رضوان) صلح حدیبیہ کے انعقاد کے بعد خود قریش مکہ کی بالاتر حیثیت باقی نہیں رہی، بل کہ وہ پہلی مرتبہ ایک ہی سطح پر آ گئے۔ مزید برآں زائرین بیت اللہ پر مشتمل عمرے جیسے خالص مذہبی عمل سے روکنے کی قریش کی طرف سے دانستہ ناجائز کوششوں کو عرب کے ہر خاص وعام نے دیکھا اور ناپسند کیا، یہ اخلاقی کم زوری قریش کے حصے میں مزید آئی پھر معاہدۂ صلح حدیبیہ کی کتابت، ترتیب وتسوید کے موقع پر قریشی نمائندوں نے دھونس، ضد، ہٹ دھرمی بل کہ کٹ حجتی کا مظاہرہ کیا، اور شرائط ودفعات میں من مانی دکھائی، خصوصاً دو تین دفعات پر ان کا بے جا اصرار لیکن

بعد میں نتائج وعواقب دیکھ کران سے خود دست بردار ہو گئے ۔جیسا کہ پچھلے صفحات میں واضح کیا گیا۔(۱۲۲)

قریش کے مقابلے میں اخلاقی اور سیاسی سطح پر اسلامی ریاست مدینہ (جو جنگ خندق تا صلح حدیبیہ یعنی ایک سال کے عرصے میں ترقی واستحکام سے برابر ہم کنار ہوتی رہی، اوراس کا دائرہ اثر مدینے کے چاروں طرف مختلف خطوں میں سرایت کرتا رہا) مزید وسعت وبلندی سے ہم کنار ہوئی۔اس نکتے کی بہ خوبی وضاحت ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب میں کر دی ہے۔ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے سخت ترین نازک زمانے میں حدیبیہ میں صلح پر آمادہ ہو جانا اسلامی سیاست خارجہ کی ایک واقعی ''فتح مبین'' اور نصر عزیز'' تھی۔جس کے باعث ان کے ہاتھ کھل گئے۔اورفوری خطرات سے نجات ملنے پر انہوں نے آزادی کے ساتھ تین ہی سال میں پرامن ذرائع سے اپنی مملکت کو تقریباً دس گنا پھیلا کر پورے جزیرہ نمائے عرب کو اپنا مطیع بنالیا۔اور وہاں سے رومی اور ایرانی اثرات بالکل خارج کر کے ایک ایسی مستحکم حکومت قائم کر دی جو پندرہ ہی سال میں تین براعظموں پر پھیل گئی۔(۱۲۳)

وہ مزید لکھتے ہیں کہ یہی وہ صلح حدیبیہ ہے جسے عہد نبوی کی سیاست خارجہ کا شاہ کار کہنا چاہئے۔(۱۲۴)

مختصر یہ کہ صلح حدیبیہ نے قریش مکہ، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم (ریاست مدینہ) اور عام باشندگان عرب پر بہ یک وقت دوررس اثرات مرتب کئے،اس کے نتیجے میں مذہبی معاشرتی اور سیاسی سماجی ماحول میں مثبت تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

ا۔عوام الناس کا بہت بڑے پیانے پر قبول اسلام۔(۱۲۵) یہ قبول اسلام ظاہر ہے اشاعت اسلام کا مظہر تھا۔قبولیت ومقبولیت اسلام کا بڑا مظاہرہ اگرچہ مکہ مکرمہ میں نمایاں ہوا، تاہم اس کے ملک گیر اثرات کو دوسرے خطوں علاقوں میں بھی محسوس کیا گیا۔علاوہ ازیں میل جول رابطے کی آزادی اور امن وامان کی بہتری کے سبب لوگوں کو اُس دین وایمان کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، جو ان کی آنکھوں کے سامنے زندگیوں میں انقلاب پیدا کر رہا تھا۔موقع ومحل کی مناسبت سے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم وتربیت دین کے انتظامات فرمائے اور مبلغین ومعلمین روانہ فرمائے۔

۲۔مکہ مکرمہ سے بھاگ کر مدینہ پہنچنے والوں کی تعداد میں اضافہ مسلسل ہوتا چلا گیا۔ایسے نومسلم جنہیں اپنے آقاؤں اور سرپرستوں سے ظلم وزیادتی کا خطرہ تھا یا پکڑے جانے سے ڈرتے تھے۔ان کے لئے مدینے کے ساحلی علاقے ''العیص'' میں جناب، ابوبصیرؓ اور جناب ابوجندلؓ کے زور بازو سے قائم ہونے والا ''ایک آزاد مرکز'' مسلسل فعال تھا، جو کسی سیاسی سرپرستی سے بے نیاز۔اس مرکز سے جڑنے

والوں کی ذاتی قوت و اہلیت سے متحرک تھا۔ یہ مرکز نہ صرف یہ کہ اہل ایمان کے تحفظ باہمی کا آئینہ دار تھا، بل کہ اس علاقے کے قریب سے گزرنے والی شامی تجارت شاہراہ پر آنے جانے والے قریشی تجارتی قافلوں پر چھاپہ مار کارروائیاں کر کے اپنی گزر بسر کا انتظام بھی کرتا تھا۔ اس مضبوط مرکز کی موجودگی خود قریش کے لئے بہت بڑا خطرہ تھا۔ اسی لئے قریش نے صلح حدیبیہ کی ایک شرط کو معطل رکھنے میں رضامندی ظاہر کی، جس کے تحت مکہ مکرمہ سے بھاگ کر آنے والوں کو واپس بھجوانا تھا۔ (۱۲۶)

۳۔ مکہ مکرمہ سے شام کی آمد و رفت اور تجارتی قافلوں کی سرگرمیاں پھر سے بحال ہو گئیں۔ کئی سال کی بندش کے بعد یہ آزادی ایک بڑی پیش رفت تھی۔

۴۔ مردوں کے ساتھ ساتھ مومن، مسلمان عورتیں بھی مکہ سے بھاگ کر مدینہ منورہ پہنچنے لگیں۔ ان میں بعض اوقات اہم اور قابل ذکر شخصیتیں بھی ہوتی تھیں۔ مثلاً عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی ام کلثوم نے خفیہ طور پر اسلام قبول کیا اور پھر تن تنہا مدینے آ گئیں۔ (۱۲۷) یہ قریش مکہ کے لئے بہت بڑی سبکی کا باعث بھی تھا۔ اسی طرح ایک اور مدنی خاتون جن کی شادی مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی وہ اپنی خاندان چھوڑ کر مدینہ پہنچ گئی۔ (۱۲۸)

۵۔ صلح حدیبیہ کا ہی ایک نتیجہ وسعت پیغام اسلام اور توسیع دعوتِ نبوی کا کام مقامی طور پر مکے مدینے اور دوسرے متفرق علاقوں میں اگر چہ تیز رفتاری کے ساتھ ظاہر ہو رہا تھا اور قبول اسلام کی لہریں جگہ جگہ تموج پیدا کر رہی تھیں۔ لیکن اب جب کہ صلح حدیبیہ کے بعد عرب کے طول و عرض میں امن و امان کی صورت حال بہتری کی طرف گام زن تھی اور انسانی میل جول اور روابط باہمی کی مشکلات کم ہو گئی تھیں۔ ایسے عالم میں سورۃ الفتح کی تازہ وحی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علو مرتبت کی خبر، رفعت مکانی کی اطلاع، ماضی و مستقبل کے تمام گناہوں سے مغفرت کی نوید اور بہ حیثیت رسول انداز و تبشر سے کام لینے کی ہدایت فرمائی گئی (۱۲۸/ الف) جب کہ آگے چل کر آپ ﷺ کے منصب و فرائض رسالت کے سلسلے میں فرمایا گیا، **وھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ و کفیٰ باللہ شھیدا ۔ محمد رسول اللہ** (۱۲۸/ ب) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی ہے گواہ، محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں چناں چہ بہ طور ایک عالم گیر تبلیغی مشن کے داعی و سربراہ آپ ﷺ کے فرض منصبی کا تقاضا تھا کہ دین اسلام کو تمام دنیا میں پہنچایا جائے اور دوسرے تمام ادیان و مذاہب باطلہ پر اس کے غلبے و تمکن کی راہ ہم وار کی جائے۔ شاید اسی لئے (جب کہ اثنائے راہ میں سورۃ الفتح آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو چکی تھی) مدینہ طیبہ پہنچتے ہی آپ ﷺ نے صحابہ کو جمع کر کے خطبہ ارشاد

فرمایا، چناں چہ حضرت مولانا شبلی علیہ الرحمہ نے ''سلاطین'' کو اسلام کی دعوت آخر ۶ ھ یا شروع کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے کہ حدیبیہ کی صلح سے کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو وقت آیا کہ اسلام کا پیغام تمام دنیا کے کانوں میں پہنچایا جائے۔ اس بنا پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن تمام صحابہؓ کو جمع کیا اور خطبہ دیا۔ ایھا الناس! خدا نے مجھے تمام دنیا کے لئے رحمت بنا اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے دیکھو حواریین عیسیٰ کی طرح اختلاف نہ کرنا، جاؤ میری طرف سے پیغام حق ادا کر دو۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے قیصر روم، شہنشاہ عجم، عزیز مصر اور رؤسائے عرب کے نام دعوت اسلام کے خطوط ارسال فرمائے'' (۱۲۹) ابن سعد کے مطابق یہ محرم ۷ ھ کی بات ہے کہ ایک ہی دن میں چھ (صحابہ کرام) قاصد بنا کر بھیجے گئے (اور بہ تقاضائے ضرورت) وہ جہاں جہاں بھی روانہ کئے گئے وہ اس علاقے اور قوم کی زبان میں گفتگو کرنے اور مافی الضمیر ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ (۱۳۰) اس کے بعد اگر چہ ابن سعد کے ہاں قاصدوں کی کی کارکردگی کی پوری تفصیل مذکور ہے، اور ان کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا کئے گئے خطوط کا مضمون، مکتوب الیہ اور مخاطبین کا ردِ عمل اور رونما ہونے والے اثرات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ افسوس کہ سر دست ہم، اپنے موضوع بحث کے تقاضوں کے پیش نظر، مزید تفصیلات پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ البتہ یہاں یہ وضاحت مناسب ہے کہ یہ تبلیغی خطوط صرف سلاطین عالم (نجاشی، حبشہ، قیصر روم، کسرائے، ایران، مقوقس صاحب الاسکندریہ عظیم القبط، حارث بن ابی شمر الغسانی وغیرہ) کو ہی نہیں بھیجے گئے بل کہ رؤسائے عرب (ہوذۃ بن علی الحنفی، جیفر وعبد ابنائے جلندی، منذر بن ساوی العبدی، وغیرہ) کو بھی ارسال کئے گئے اور ان سے اسلام لانے کا مطالبہ کیا گیا اور اسلام قبول نہ کرنے کے نتائج وعواقب سے مطلع کیا گیا۔ (۱۳۱) خطوط ومکاتبت نبوی کا یہ سلسلہ مسلسل جاری رہا اور تمام قابل ذکر قبائل، افراد، امرا، اشخاص، مشاہیر کو خطوط کے ذریعے دعوت اسلام کا اہتمام کیا گیا۔ (۱۳۲)

۵۔ صلح حدیبیہ کے نتیجے میں خیبر کے یہودی اپنے مکی ساتھیوں (قریش) کی امداد سے محروم ہو گئے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ صورت حال یہود کے لئے نہیں بل کہ خود قریش کے لئے کم زوری اور تنہا ہو جانے کی تھی۔ کیوں کہ خیبر، یہود کا ایک مضبوط گڑھ، ۱۰، ۱۱ سنگی قلعوں پر مشتمل مضبوط مرکز تھا، (۱۳۳) وہ قریش کا محتاج نہیں تھا، (یہود مسلمانوں کے خلاف بغض وعناس قریش سے بھی زیادہ رکھتے، اور بنو نضیر اور بنو قریظہ کے مدینے سے جلا وطنی کے بعد وہ ریاست مدینہ کے دشمن، پھر سے مدینے پر قبضے کے متمنی، ہر دشمن خدا اور رسول کے دوست اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جارحانہ عزائم رکھتے تھے)۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے جنگ خندق کے بعد کا زمانہ مسلمانوں کے لئے بڑا نازک قرار دیا ہے اور واضح کیا

ہے کہ ضرورت تھی کہ خیبر اور مکہ دونوں کی قوت کا استیصال کیا جائے۔ مگر مسلمانوں کے پاس اتنی قوت نہ تھی کہ وقت واحد میں ان دونوں مرکزوں پر حملہ کیا جا سکے، ان کے نزدیک ان حالات میں مصلحت کا اقتضا یہی ہوسکتا تھا کہ دونوں میں سے کسی ایک دشمن سے صلح کر کے دوسرے کے مقابلے میں اس کو دوست ورنہ کم از کم ناطرف دار بنا دیا جائے۔ (۱۳۴) حضور سرکار مدینہ ﷺ نے قریش مکہ کی خبر پہلے لی اور صلح حدیبیہ کے ذریعے مصالحت اور امن وامان کے مقاصد حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ قریش مکہ کو خاموش اور یہود خیبر کا ناطرف دار بنا دیا۔ ریاست مدینہ کی طرف سے اقدامات کی یہ ترتیب (پہلے قریش پھر، یہود اور دیگر دشمنوں کا صفایا)۔ انتہائی موزوں اور کام یاب ثابت ہوئی، جس کی تائید سورۃ الفتح کے مضامین سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں صلح حدیبیہ کو ''فتح مبین'' سے تعبیر کیا گیا۔ (سورۃ الفتح تاریخی طور پر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ذی قعدہ ۶ ھ میں صلح حدیبیہ سے واپسی سفر کے دوران مکہ مکرمہ کے قریب نازل ہوئی۔ انا فتحنا لك فتحاً مبيناً (ہم نے آپ کو ''فتح مبین'' عطا کر دی ہے) حضرت جبریل نے اس کے نزول پر کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبارک ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم رکاب مسلمانوں کو مبارک باد دے کر فتح مبین سے مسرور کر دیا۔ (۱۳۵)

سورۃ الفتح میں صلح حدیبیہ کے متعلقات واحوال (زیارت بیت اللہ کا خواب، عمرے کے لئے روانگی، اعلان، اطلاع، منافقین، اعراب کا رویہ، خدشات، حدیبیہ آمد، درخت کے نیچے بیعت رضوان، جنگ وجدال سے احتراز، مقام، منصب، فرائض رسالت اور جاں نثاران رسول کی صفات وشان) وغیرہ کے علاوہ نتائج و ثمرات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ بل کہ پہلی ہی آیت انا فتحنا لک فتحاً مبیناً صلح حدیبیہ کا ثمرہ ونتیجہ ہے ''اے نبی (ﷺ) ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کر دی ہے''۔ اُس وقت بعض صحابہ نے استفسار بھی فرمایا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حتمی جوب یہی تھا کہ ای والذی نفس محمدبیده انه لفتح ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے یقیناً یہ فتح ہے'' (۱۳۶) ترتیب واقعات میں صلح حدیبیہ (فتح مبین) کے بعد ''فتح خیبر'' کی باری تھی۔ فتح سے ہی غنیمت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے آیت ۱۵ (کے مفہوم) میں کہا گیا کہ ''عن قریب وہ وقت آنے والا ہے (جب جنگ خیبر کی صورت میں) آسان فتح اور مالِ غنیمت کا لالچ موقع پرست (منافق) لوگوں کو (مالِ غنیمت میں سے) اپنا حصہ (کسی شرم وغیرت کے بغیر) مانگنے پر آمادہ کرے گا۔ آپ صاف جواب دے دیجئے گا (کہ خیبر کی مہم میں صرف ان ہی لوگوں کو جانے کی اجازت ملے گی جو حدیبیہ کی مہم میں شریک ہوئے) تم لوگ ہمارے ساتھ (غزوہ خیبر میں) ہرگز نہیں چل سکتے، آگے آیات ۱۸، ۱۹ میں یہ فرمایا گیا کہ ''اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ ﷺ سے بیعت (رضوان) کر رہے تھے۔

ان کے دلوں کا حال اُس (اللہ) کو خوب معلوم تھا اس لئے ان پر سکینت نازل فرمائی۔ ان کو انعام میں قریبی فتح (خیبر، گویا) بخش دی اور بہت سا مال غنیمت (جو ملے گا) انہیں عطا کردیا۔ جسے وہ (عن قریب) حاصل کریں گے''۔ (۱۳۷) اگلی آیت (۲۰) کے مفہوم میں اور زیادہ وسعت ہے۔ کہا گیا: اللہ تم سے (آئندہ کے) بہ کثرت مال غنیمت کا وعدہ کرتا ہے جنہیں تم حاصل کروگے۔ (جو صحابہ کو فتح روم وفارس ودیگر بلاد سے حاصل ہوئے۔ بعض مفسرین کے نزدیک مقام کثیرہ سے عرب کی وہ فتوحات مراد ہیں جو اس کے بعد ہوئیں، یا یہ دیگر فتوحات کے نتیجے میں ہونے والی غنیمتوں کی خوش خبری ہے جو قیامت تک مسلمانوں کو حاصل ہونے والی ہیں)۔ البتہ فوری طور پر یہ فتح (صلح حدیبیہ) اس نے تمہیں عطا کردی ہے اور لوگوں (قریش) کے ہاتھ تمہارے خلاف اٹھنے سے روک دیئے''۔ اگلی آیت (۲۱) میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ان کے علاوہ دوسری اور غنیمتوں (فتوحات) کا بھی تم سے وعدہ کرتا ہے جن پر تم ابھی قادر نہیں ہوئے ہو (مثلاً فتح مکہ پر) لیکن اللہ نے اس کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔ (کہ حدیبیہ کی فتح کے نتیجے میں وہ بھی تمہارے قبضے میں آجائے گا) اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

سورۃ الفتح کی آیات واحکام سے متبادر ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کا ایک فوری نتیجہ اللہ نے فتح خیبر کی صورت میں مقدر فرمادیا۔ جسے آیات (۱۸، ۱۹ میں) بہ تکرار بیان کیا گیا ہے۔ اسی کے تتبع میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ سے (اواخر ذی قعدہ ۶ھ/ مارچ، اپریل ۶۲۸ء میں) مدینہ منورہ واپس پہنچتے ہی تمام اہم اطلاعات کی (مثلاً خیبر کے یہود اور بنو غطفان کا گٹھ جوڑ، ایک بڑے لشکر کے ساتھ مدینے پر حملے کی تیاریاں، مکمل) تصدیق کے بعد (اواخر محرم ۷ھ/ مئی، جون ۶۲۸ء) میں خیبر اور ان کے دیگر مراکز، وادی القریٰ، تیما، فدک وغیرہ (کی فتح کے لئے) اسی لشکر کے ساتھ کوچ فرمایا جو ۱۴۰۰، ۱۵۰۰ کی تعداد میں بیعت رضوان کے شرف کا حامل صلح حدیبیہ میں شریک تھا (۱۳۸) خیبر یہودیوں کا بڑا مضبوط گڑھ تھا۔ (۱۳۹) ان کے متعدد قلعے تھے جو بڑی جدوجہد، محاصرے اور جنگ کے بعد فتح ہوئے۔ (۱۴۰) فدک والوں نے بغیر لڑائی نقصان نصف پر مصالحت واطاعت کرلی۔ (۱۴۱) وادی القریٰ نے کچھ مزاحمت دکھائی اور لڑائی کے بعد سرنگوں ہوئے۔ (۱۴۲) تیماء کے یہود نے بھی بغیر لڑے حلقۂ اطاعت میں آنا پسند کیا۔ (۱۴۳) یہودی بستیوں میں مسلمان مجاہدین کی کارگزاری اور فتوحات کی اس سے زیادہ تفصیل کا ہمارا موضوع بحث اجازت نہیں دیتا۔

بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہود خیبر، تیما، وادی القریٰ وغیرہ کے زیرنگیں آجانے کے بعد اسلام اور اسلامی ریاست کے لئے ایک بڑے چیلنج کا خاتمہ ہوگیا۔ یہودیوں کا وقار واعتبار حاملانِ کتاب وشریعت کی حیثیت سے باشندگان عرب میں قائم تھا۔ اور مشرک کا فرقوں میں ان کا عزت واحترام روا رکھتی

تھیں، پھر ان کی مالی پوزیشن، اقتصادی مضبوطی اور سیاسی وعسکری قوت کے حامل ہونے کے سبب ان کا عربوں میں ایک مقام ومرتبہ اور وزن تھا۔ اس لئے آں حضرت ﷺ کے ہاتھوں ان یہودی عناصر کا مغلوب ہوکر جزیے کی شرط پر غیر مسلم رعایا کی حیثیت سے حدود ریاست (مدینہ) میں رہنا، ایک عظیم یادگار واقعہ تھا۔ (۱۴۴)

اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کو بالاتری وبالادستی حاصل ہوگئی ہے اور اب دراصل ایک ہی دینِ اسلام کا پرچم سربلند ہوگیا ہے۔ حضور ختمی مرتبت علیہ الف الف تحصلہ کا فرمان تھا۔ **لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب** (۱۴۵) ''جزیرہ نمائے عرب میں بہ یک وقت دو مذہب جمع نہیں ہوسکتے'' ایک طرف یہود، حاملانِ دینِ موسوی کی حیثیت سے، اہل کتاب کی عزت شہرت، سروری وبالادستی ختم ہوگئی تھی۔ دوسری طرف کفر وشرک کا پرچم بھی سرنگوں ہوچکا تھا، جس کے علم بردار قریش مکہ تھے۔ صلح حدیبیہ کے نتیجے میں ان کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ مکہ مکرمہ میں رہنے والوں میں سے ایک بڑی تعداد ایسی تھی جو اپنے آبائی دین وایمان کو خیر باد کہہ چکی تھی اور انہوں نے بہ رضا ورغبت شرک وبت پرستی ترک کرکے دینِ اسلام کو پسند کرلیا تھا۔ صلح حدیبیہ کے بعد تبدیلیٔ مذہب کی ہوا ایسی چلی کہ بڑے بڑے عقل مند اور جہاں دیدہ لوگ شرک وبت پرستی سے مایوس وبےزار ہوگئے۔ مثلاً خالد بن ولید جو عمرۃ الحدیبیہ کے لئے مکہ آنے والے قافلے کی راہ میں اپنے گھوڑ سوار دستے کے ساتھ کراع الغمیم تک آکر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لئے تیار ومستعد کھڑے تھے، صلح حدیبیہ کے بعد مدینے جاکر حلقہ بہ گوشِ اسلام ہوجاتے ہیں، بل کہ راستے میں ملنے والے عمرو بن العاص اور عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ بھی دولت اسلام لئے مکہ لوٹتے ہیں۔ (۱۴۶) تبدیلی مذہب کے اس رجحان کو مزید تقویت ذی قعدہ ۷ھ میں اس وقت ملی، جب کہ صلح حدیبیہ کی شرط کے مطابق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً دو ہزار مسلمانوں کے ہم راہ مکہ معظمہ پہنچ کر عمرۃ (القضاء) ادا فرمایا اور تین دن تک ادائیگی ورسم کے لئے وہاں مقیم رہے۔ (۱۴۷)

(۱۲)

گزشتہ صفحات میں دی گئی تفصیلات کا خلاصہ مندرجہ ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ پیغام اسلام کی تبلیغ واشاعت انفرادی واجتماعی ہر سطح پر مسلسل کی گئی۔ پھر اس میں توسیع وتسلسل پورے عرصے (جنگ خندق ۵ھ تا عمرۃ القضاء ۷ھ) بلاتوقف جاری وساری رہا۔

۲۔ پیغام اسلام نہ صرف یہ کہ سرزمین عرب کے گوشے گوشے میں پہنچا، بل کہ اس وقت کی معلوم

دنیا نے بھی اس کا آوازہ سنا۔ عظیم سلطنتوں حبشہ، روم، ایران، مصر وغیرہ کے بادشاہوں، سربراہوں، ذمے داروں، ایوانوں اوران کے باشندوں تک مکتوبات نبوی ﷺ کے ذریعے اسلام کی دعوت پہنچائی گئی۔

۳۔ دعوت وتبلیغ کے لئے مختصر کلام، بامعنی الفاظ اور معنی خیز پیغام کا انتخاب کیا گیا اور ایسے قاصدوں کے ذریعے بھیجا گیا جو اس کے پوری طرح اہل تھے۔

۴۔ تبلیغ واشاعت دین کی بہترین کوششوں، حکمت وموعظت کی مختلف جہتوں اور زندگی کے عملی نمونوں اور بہترین مثالوں کے سبب اسلام کی طرف ایک عام رغبت پیدا ہوئی۔ پورے ملک میں قبول عام کی لہر نے فروغ پایا اوراس کے بارے میں دل چسپی اور تجسس پیدا ہوا۔ نفرت وعداوت کی فضا ختم ہوئی اور معاندانہ مخالفانہ رویہ انفرادی سطح تک محدود ہو گیا۔

۵۔ قریش مکہ کے مقتدر حلقوں میں ابتدأ اسلام کے خلاف نفرت وعداوت کا جو طوفان اٹھا تھا وہ چند سرداروں کی سرپرستی کا نتیجہ تھا۔ ان کے زیر اثر عوامی حلقوں میں اسلام سے عدم دل چسپی، بے رغبتی اور کم علمی کی بنا پر مخالفت ودشمنی کا رجحان مکی دور میں پھلتا پھولتا رہا لیکن ہجرت مدینہ کے بعد اہل ایمان اور قریش مکہ کے درمیان جو مقابلہ بدر پر (۲ھ/۶۲۴ء میں) ہوا۔ اس نے اسلام کی سربلندی وسرفرازی اور قریش مکہ کی شکست وماندگی ثابت کردی۔ جب کہ ۵ھ میں جنگ خندق کے بعد قریش مکہ کی قوت وطاقت زوال وانحطاط کا شکار ہوگئی۔ یہاں تک کہ صلح حدیبیہ کے بعد اضمحلال اور بڑھ گیا۔ بڑے بڑے سورما عمرو بن العاص، خالد بن ولید، عثمان بن طلحہ وغیرہ مایوسی، ذہنی شکستگی کا شکار ہوکر رہ گئے۔ اسلام سے نفرت اس سے محبت میں تبدیل ہوگئی اور آخر کار وہ خود حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔

۶۔ ہجرت مدینہ (۱ھ ربیع الاول/ستمبر ۶۲۲ء) کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں جس ریاست کو قائم فرمایا تھا۔ ابتدائی پانچ سالوں میں اگرچہ مدینے تک محدود رہی لیکن اس کے اثرات قرب وجوار کے علاقوں اور قبائل تک پھیل گئے تھے۔ جب کہ اگلے دو سالوں میں خاص طور پر صلح حدیبیہ کے بعد تمام سمتوں میں ریاست مدینہ کی حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرلیا گیا۔ ریاست مدینہ کے دو بڑے دشمن تھے۔ ایک قریش مکہ، اور دوسرے یہود خیبر۔ قریشِ مکہ کی جارحانہ سرگرمیاں جنگ خندق ۵ھ کے بعد ماند پڑ گئی تھیں، جب کہ ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد ۱۰ سالہ معاہدۂ امن کی بہ دولت ریاست مدینہ ایک تسلیم شدہ سیاسی قوت بن کر ابھری، قریش مکہ ''التوائے جنگ'' (۱۴۸) کے پابند ہوکر ہر قسم کی جارحیت اور فوجی پیش قدمی سے اصولاً الگ ہو چکے تھے۔ اس اعتبار سے ریاست مدینہ کو بھی خطرہ نہیں رہا تھا۔ دوسری طرف یہود خیبر کی طرف سے

مدینے پر حملہ کی تیاریوں کی خبر کی تصدیق کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ڈیڑھ ہزار مجاہدین کے ساتھ (جو صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے) یہود خیبر کی تادیب کے لئے تشریف لے گئے اور غیر معمولی بہادری سے ساتھ یہود خیبر کے مضبوط مرکز کو زیر نگیں لانے میں کام یاب رہے بل کہ فدک، وادی القریٰ اور تیما کی متصل یہودی بستیوں نے بھی سر اطاعت خم کر دیا۔ دونوں دشمنوں قریش مکہ اور یہود خیبر کے بعد ان سرکش قبائل کی سرکوبی باقی رہ گئی تھی جو صحراؤں اور ریگستانوں میں آوارہ پھرتے تھے اور حالات سے فائدہ اٹھا کر خطرہ بن سکتے تھے۔ فتح مکہ سے پہلے ان قبائل پر بھی قابو پا لیا گیا۔ لیکن کسی دوسری طرف متوجہ ہونے سے پہلے نئی صورت حال سامنے آ گئی۔ مولانا شبلی کے بہ قول صلح حدیبیہ نے لوگوں کو مطمئن کیا تو بنو بکر سمجھے کہ دشمن سے اب انتقام لینے کا وقت آ گیا۔ دفعتاً وہ پرانے دشمن خزاعہ پر حملہ آور ہوئے اور رؤسائے قریش نے علانیہ ان کو مدد دی۔ عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو وغیرہ نے راتوں کو صورتیں بدل کر بنو بکر کے ساتھ تلواریں چلائیں۔ خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی، بنو بکر رک گئے کہ حرم کا احترام ضروری ہے لیکن ان کے رئیس اعظم نوفل نے کہا کہ یہ موقع پھر کبھی ہاتھ نہیں آ سکتا، غرض عین حدود حرم میں خزاعہ کا خون بہایا گیا۔ (۱۴۹)

خزاعہ کے چالیس ناقہ سوار عمرو بن سالم کی سرکردگی میں مسجد نبویؐ میں آئے اور فریاد پیش کی۔ یہ ایسا اندوہ ناک واقعہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے پاس قاصد بھیجا کہ تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے کوئی ایک منظور کی جائے۔ بنو خزاعہ کے

۱۔ مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔

۲۔ قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

۳۔ اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قرطبہ بن عمر نے قریش کی زبان سے کہا کہ صرف تیسری شرط منظور ہے، یعنی یہ کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا) لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی۔ انہوں نے ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا کہ معاہدے کی تجدید کروا لائیں۔ (۱۵۰)

قریش مکہ کا یہ ایسا جذباتی فیصلہ تھا جس کی تلافی ممکن نہ تھی۔ قریش مکہ نے صلح حدیبیہ کی شرائط پامال کرتے ہوئے بنو بکر کی نہ صرف یہ کہ مدد کی تھی، بل کہ بنو خزاعہ کا خون بہانے میں خود بھی حصہ لیا تھا، انہوں نے حرم کے تقدس کا بھی خیال نہیں کیا خزاعہ کے بیس آدمی قتل ہوئے تھے، صلح حدیبیہ کے روز اعلان کے مطابق بنو خزاعہ آں حضرت ﷺ کے عہد اور ذمے داری میں داخل ہوئے تھے۔ جب کہ بنو بکر نے قریش کا حلیف بننا پسند کیا تھا۔

زیادتی سراسر بنوبکر کی طرف سے ہوئی تھی اور قریش برابر کے ذمے دار تھے۔ اب جب کہ بنوخزاعہ مدینے آ کر آں حضور ﷺ سے مدد کے خواہاں ہوئے تو آپ نے برملا اعلان فرمادیا تھا: نصرت یا عمرو بن سالم "عمرو بن سالم تمہاری مدد ضرور کی جائے گی" اور آسمان پر بادل کا ٹکڑا دیکھ کر ارشاد نبوی ﷺ تھا: ان ھذہ السحابۃ لتسھل بنصر بنی کعب (۱۵۱) "یہ بادل بنوکعب پر نصرت کی بارش برسائے گا"، اب جب کہ قریش معاہدہ حدیبیہ فسخ کر چکے تھے، بعد میں ابوسفیان کی آمد بے معنی تھی جس نے نہ تو بنوخزاعہ کے مقتولین کے خوں بہا دینے کا وعدہ کیا تھا، نہ بنوبکر سے اظہار برأت کیا تھا، ان کے بغیر تجدید معاہدہ عبث تھا، اسی لئے اسے بے نیل ومرام مکہ واپس جانا پڑا تھا۔ اور آں حضور ﷺ بنوخزاعہ کی نصرت کا وعدہ کر چکے تھے۔ تجدید صلح حدیبیہ کا کوئی جواز نہ تھا، لہٰذا حضور رسالت مآب ﷺ کی پیش قدمی ناگزیر تھی۔ آپ کا سحاب رحمت برسنے کے لئے تیار تھا۔

بنوخزاعہ پر زیادتی کا واقعہ شعبان میں پیش آیا تھا۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ سے روانگی (فتح مکہ کے لئے ۱۰ رمضان) کو اسلامی فوج عمل میں آئی۔ (۱۵۲) اتنے قلیل وقت یعنی ایک ماہ کے مختصر عرصے میں لشکر کی تیاری اور اس طرح کوچ کہ قریش مکہ کو کانوں کان خبر نہ ہوسکے اور دوران سفر نئے لوگوں، نئے دستوں کا شامل ہوتے چلے جانا، یہاں تک کہ مکہ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر مرالظہران پہنچ کر شمار کیا گیا تو پتہ چلا کہ ۱۰ ہزار اہل ایمان (جن میں کوئی غیر مسلم نہیں تھا) رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ (۱۵۳) بہ قول مولانا شبلی "آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تمام فوج نے الگ الگ آگ روشن کی جس سے تمام صحرا وادئ ایمن بن گیا۔" (۱۵۴) تحقیق حال کے لئے حکیم بن حزام، بدیل بن ورقاء ابوسفیان بن حرب نے یہاں پہنچ کر دیکھا تو پتہ چلا کہ مدنی مسلمانوں کا عظیم الشان لشکر حد نگاہ تک پھیلا ہوا ہے اور سب نے آگ جلا کر جگہ جگہ الاؤ روشن کر رکھے ہیں۔ یہ منظر بہ جائے خود ان سرداران قریش کو حیران کر دینے کے لئے کافی تھا۔ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا نے تو اسی وقت اسلام کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا۔ ابوسفیان کے مضبوط اعصاب تھے۔ اس لئے وہ رات کے پہر ٹھیر کر کچھ اور دیکھنے کی تاب وتواں رکھتا تھا۔ جناب عباسؓ نے اسے نکڑ پر کھڑا کر دیا، جہاں سامنے سے یکے بعد دیگرے سپاہ اسلامی کے دستے شان عظمت وعزیمت دکھاتے گزر رہے تھے۔ ابوسفیان آنکھیں پھاڑے دیکھتا رہا اور آخر کار کہنے لگا! عباس تمہارے بھتیجے کی بادشاہت تو بہت بڑھ گئی ہے۔ عباس نے جواب دیا! یہ بادشاہت نہیں شان نبوت ہے۔ وہ کہنے لگا ہاں یہ تو ہے! (۱۵۵) ابوسفیان نے کلمۂ ایمان صبح کے ہونے کے بعد پڑھا اور مطمئن ہو گیا اور جب وہ شہر میں داخل ہوا تو یہ اعلان عام کیا جا چکا تھا کہ من دخل دار ابی سفیان فھو آمن! (۱۵۶) "جو ابوسفیان کے گھر میں

داخل ہوا سے امان ہے'' ومن اغلق بابه فهو آمن ومن دخل المسجد فهو آمن (۱۵۷)'' جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے اس کے لئے بھی امان اور جو مسجد میں داخل ہو جائے اسے بھی امان''!

صبح کے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جلو میں ۱۰ ہزار افواج اسلامی کے ساتھ (۱۵۸) مکہ مکرمہ میں نزول اجلال فرمایا تو میسرہ کی قیادت حضرت زبیر بن العوام کے سپرد تھی اور انہیں شمالی سمت سے داخل ہونا تھا۔ میمنہ پر خالدؓ بن الولید تھے۔ انہیں جنوبی سمت سے آگے بڑھنا تھا۔ مجاہدین انصار حضرت سعدؓ بن عبادہ (جن سے علم لے کران کے بیٹے قیس بن سعد کے سپرد محض اس لئے کر دیا گیا تھا کہ انہوں نے الیوم یوم الملحمة الیوم مستحل الحرمة کا نعرہ بلند کر دیا تھا) کے زیر کمان تھے۔ (۱۵۹) مہاجرین صحابہ کی قیادت حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح کو حاصل تھی، جو شمال مغربی سمت جبل ہندی سے پیش قدمی کر رہے تھے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود کداء کی طرف سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، آپ کا علم (حجون/ جنت المعلیٰ کے قریب اس جگہ) نصب کیا گیا جہاں اب مسجد الرایہ ہے۔ آپ ناقے پر جلوہ افروز تھے اور عاجزی انکساری اور شکرانے کے طور پر خمیدہ سر کہ ریش مبارک کجاوے سے مس کر رہی تھی۔ اور آپ سورۂ انا فتحنا (الفتح) اور (سورۃ النصر) اذاجآء نصر الله و الفتح کی تلاوت فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کا رخ بیت اللہ کی طرف تھا اور مہاجرین وانصار اور دوسرے اہل ایمان کا جم غفیر آپ کی معیت میں چل رہا تھا۔

مکہ مکرمہ میں ہر طرف سے اسلامی افواج کا داخلہ پرسکون رہا۔ صرف ایک طرف مشرکین (اوباشوں) کے ایک گروہ نے الخندمہ میں حضرت خالد بن ولید سے (محض عصبیت جاہلیہ میں) مزاحمت کی کوشش (۱۶۰) جس کی قیادت قریش کے تین سردار (صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو) کر رہے تھے۔ بادل نہ خواستہ حضرت خالد کو اپنے دفاع میں تلوار چلانی پڑی وہ اس کی بھی تاب نہ لا سکے اور (اس مقابلے میں) کفار ومشرکین کے تقریباً ۲۴ افراد کام آئے (ان میں سے بیس کا تعلق بنوبکر سے اور تین کا بنو ہذیل سے تھا)۔ شاید مسلمانوں اور قریش کے درمیان اس خونی جھڑپ کی وجہ سے بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ مکہ پرامن یا صلح سے قبضہ نہیں ہوا بلکہ اسے لڑ کر فتح کیا گیا۔ (۱۶۱) اس معمولی (خونی) واقعے کے سوا کہیں اور کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش نہیں آیا اور ایک ایسا شہر جو آغاز اسلام سے ہی مخالفت وعداوت کی چنگاریاں اڑاتا رہا تھا، جہاں کے چپے چپے پر حضور سید المرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں ہمیشہ اذیت وکلفت کے کانٹے بچھائے جاتے رہے، اس کی فتح ایسے پرامن طریقے سے انجام پذیر ہوئی کہ نہ کسی شہری کی نکسیر پھوٹی، نہ شہر میں قتل وغارت گری کا بازار گرم ہوا، نہ گھیراؤ جلاؤ کے لئے اوباشوں کی ٹولیاں نکلیں، نہ کسی گھر کو جلایا گیا۔ نہ سامان مال واسباب کو لوٹا گیا، نہ عزتیں

پامال ہوئیں اور نہ خوف ودہشت پھیلائی گئی۔حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ اپنی اونٹنی قصواء پر سبک خرامی کے ساتھ آئے تو سراقدس رب کائنات کے حضور جھکا ہوا تھا،سورۂ فتح اور سورۃ النصر کی تلاوت کے ساتھ بیت اللہ کی طرف رواں دواں تھے ریش مبارک کجاوے کی لکڑی سے مس ہورہی تھی زبان ودل ترانۂ حمد سے سرشار تھا، نہ فخر وغرور، نہ اکڑفوں، نہ نعرۂ مستانہ، نہ شوروغل، نہ طاقت دولت وثروت کا اظہار، سرتاسر عاجزی وفروتنی، صبر وشکر، مالک الملک کی کبرائی بیان کرتے مسجد الحرام میں داخل ہوئے، حجر اسود کا استلام کیا اور سواری پر ہی کعبۃ اللہ کا طواف ادا فرمایا۔ایک لکڑی قوس دست مبارک میں تھی صحن (مطاف) میں یہاں جہاں سے گزرتے اور بتوں کو دیکھتے تو قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا کی تلاوت فرماکر ذرا ساٹھوکا لگاتے تو بت سیدھا یا اوندھا گر جاتا (۱۶۲)۔طواف سے فارغ ہوکر عثمان بن طلحہ کو بلایا۔کلید کعبہ لگاکر دروازہ کھولا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے وہاں پر موجود بتوں کو وہاں پر بنی تصویروں کو وہاں موجود خرافات کو مٹانے کا حکم فرمایا، چاروں طرف تکبیر وتہلیل فرمائی،ایک پاک صاف جگہ نماز ادا فرمائی پھر خانۂ کعبہ کے دروازہ پر جلوہ افروز ہوئے۔صحن کعبہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔لوگوں سے خطاب فرمایا، بڑے بڑے خونی، زہریلے جذبات، دشمن خیالات، دنیادار، بدخواہ، نخوت وغرور کے پیکر، مال ومنال کے رسیا، ظلم وستم ڈھانے کے عادی، عصبیت جاہلیت سے سرشار، اپنے انجام سے خائف، اندیشوں سے دوچار ہمہ تن گوش تھے۔سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز کلام حمد وثنائے الٰہی سے کیا: اور فرمایا!

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك له، صدق وعده، ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده الا كل مأثرة او دم او مال يُدعى فهو تحت قدمي هاتين الا سدانة البيت وسقاية الحاج الا وقتيل الخطاء شبه الحمد بالسوط والعصا ففيه الدية مغلظة مأة من الابل اربعون منها في بطونها اولادها يامعشر قريش ان الله قد اذهب عنكم نخوة الجاهلية وتعظمها بالآباء الناس من آدم وآدم من تراب، ثم تلا هذه الآية ياايها الناس انا خلقناكم من ذكر وانثىٰ وجعلناكم شعوباً وقبآئل لتعارفوا ان اكرمكم عندالله اتقاكم، ثم قال، يامعشر قريش! ماترون اني فاعلٌ فيكم؟ قالوا خيرا اخ كريم وابن اخ كريم قال: اذهبوا فانتم الطلقاء (۱۶۳)

ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔جس نے اپنا وعدہ سچ کردکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی۔ اور اس کے دشمنوں کے سارے جتھوں کو تنہا توڑ کر رکھ دیا۔دیکھو! عہد جاہلیت کے تمام

عہد کے آثار ومفاخر اور خون ومال کے دعوے سب میرے دونوں قدموں کے نیچے پامال ہیں۔ مگر ہاں سدانت البیت (حرم کی تولیت ونگرانی) اور سقایۃ الحاج (حجاج کی آب رسانی) اس سے مستثنیٰ ہیں۔ دیکھو! جو شخص بھی خطاً قتل کیا جائے، کوڑے سے یا لاٹھی سے۔ اس کی دیت مغلظہ ہوگی (یعنی) سو اونٹ جس میں چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوگی۔ اے اہل قریش! اب (جاہلیت کا) فخر وغرور اور آباو اجداد کی عظمت، حسب ونسب کا افتخار اللہ نے مٹا دیا ہے۔ تمام کے تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے اس کے بعد آپ نے سورۃ حجرات کی آیت تلاوت فرمائی کہ لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک درحقیقت سب سے زیادہ معزز ومحترم وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہے۔ پھر مخاطبین قریش سے استفسار فرمایا، اے گروہ قریش! میری نسبت تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ تو وہ سب کہنے لگے۔ خیر اور بھلائی کے سوا کچھ نہیں کہ آپ خود بھی شریف وکریم اور ایک شریف وکریم کے بیٹے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اچھا جاؤ۔ تم سب آزاد ہو! (تم پر کوئی عتاب نہیں)

اپنے کرتوتوں کے سبب مکہ کے بسنے والے قریشی باسیوں کو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس درجے عفو وکرم، احسان وعطا کی توقع بھلا کیا ہو سکتی، اتنا بے پایاں کرم دیکھا تو کریم النفس آقا کو اپنا دل دے بیٹھے۔ چھوٹے بڑے مرد عورت سب کے سب اعتراف گناہ کرتے ہوئے دولتِ ایمان لوٹنے کے لئے ٹوٹ پڑے، یہ یقین انہیں دلا دیا گیا تھا کہ اقرار ایمان کے بعد، پہلے کے گناہ دھل جاتے ہیں، نجات مل جاتی ہے۔ ایک ہی دن میں پورے مکے نے کلمۂ اسلام پڑھ لیا، اور سوائے ان اشتہاری مجرموں کے جن کی تفصیل تمام عربی مآخذ میں موجود ہے، تمام منکروں، مخالفوں، مجرموں کو معاف کر دیا گیا۔ اسلام لانے والوں میں عوام الناس بھی شامل تھے اور تمام بڑے بڑے سردار، شرفاء اور مشاہیر مکہ، (جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں یہ ایک الگ موضوع ہے اور ایک بھرپور مطالعے کا متقاضی۔ ان شاء اللہ کبھی کسی اگلی فرصت میں زیر بحث لایا جائے گا)۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ رمضان ۸ھ کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے، ۲۰ رمضان کو مکہ مکرمہ فتح ہوا اور ۲ ماہ ۲۵ دن میں قریش اور ہوازن کے شہر، اور دل ودماغ فتح کر کے واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔

فتح مکہ کے بعد اہل مکہ کے اسلام لانے کے بعد اور مکہ مکرمہ میں ریاست مدینہ کی عمل داری قائم

ہونے کے بعد اور قریش مکہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد ان کی مخالفت وعداوت ختم ہو کر تاریخ کا حصہ بن گئی۔ یوں خطبہ کوہ صفا کے بعد سے فتح مکہ تک ان کے (مخاصمانہ) تعلقات کی نوعیت، اسباب، واقعات اور تاریخ کا مفصل مطالعہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا گیا۔

ہجرت مدینہ (۶۲۲،۲۳ء/۱ ہجری) سے فتح مکہ (۶۳۰ء/۸ھ) تک دعوت نبوی ﷺ اور عداوت قریش کی ارتقائی صورت حال کا جو مفصل مطالعہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا گیا اس کا ایک خلاصہ عمودی پیش کش (Bar Pxseutation) پر مبنی حاضر ہے، جب کہ ایک اور خاکہ متقابل خطوط منحنی وتمیزی (Diffreutid Cwue) کے مطابق پیش کیا جا رہا ہے، تاکہ مقالے میں درج تفصیلات کو بہ یک نظر دیکھا جا سکے، نیز بہ طور حاصل مطالعہ دعوتِ نبوی ﷺ کا عروج اور عداوت قریش کے زوال وانحطاط کا مادی اظہار بہ نظر چشم دیکھا جا سکے (اس سے پہلے ابتدائی تیرہ سالہ مکی زندگی میں خاکوں/نقشوں کے ذریعے دعوت نبوی اور عداوت قریش کو دکھایا جا چکا ہے)۔

The continual growth & development of Holy Prophet's mission (Dawat) in ARABIA and outside after Hijrah.And the end of the opposition of QURAISH (Adawat) at the fall of MAKKAH in8AH/630AD.

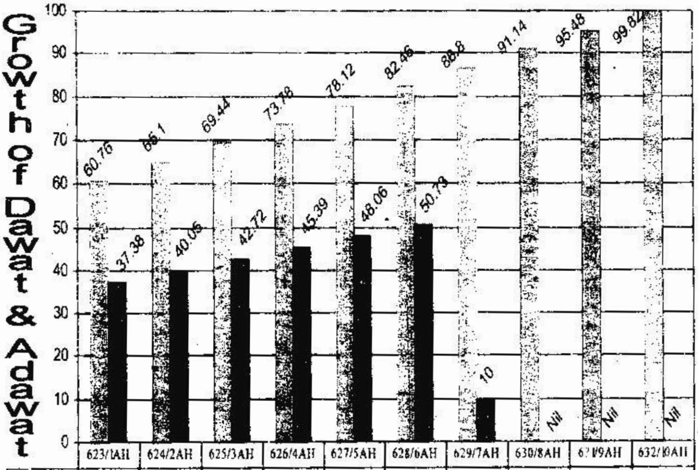

	623/1AH	624/2AH	625/3AH	626/4AH	627/5AH	628/6AH	629/7AH	630/8AH	6?1/9AH	632/10AH
DDAWAT	60.76	65.1	69.44	73.78	78.12	82.46	86.8	91.14	95.48	99.82
■ ADAWAT	37.38	40.05	42.72	45.39	48.06	50.73	10	0	0	0

The establishment of the city state of Madina and its development and expansion in 10years.

The continual growth & development of Holy Prophet's mission (Dawat) in ARABIA and outside after Hijrah. And the end of the opposition of QURAISH (Adawat) at the fall of MAKKAH in 8AH/630AD.

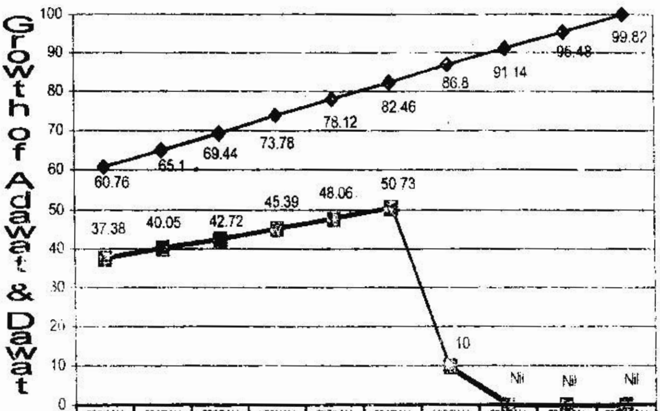

	623/1AH	624/2AH	625/3AH	626/4AH	627/5AH	628/6AH	629/7AH	630/8AH	631/9AH	632/10AH
DAWAT	60.76	65.1	69.44	73.78	78.12	82.46	[illegible]	91.14	95.48	99.82
ADAWAT	37.38	40.05	42.72	45.39	48.06	50.73	10	0	0	0

The establishment of the city state of Madina and ... and expansion in 10years.

اسناد وحواشی

۱۔ ابن ہشام۔السیرۃ النبویۃ۔مصطفیٰ البابی۔۱۹۳۶ء،ج ۳ص ۱۰۰

۲۔ غزوہ بدرالموعد بلاذری کے مطابق ذی القعدہ ۵ھ کا واقعہ ہے۔اور یہ ابوسفیان کے وعدے کا جواب تھا۔لیکن حضرت حسان بن ثابت نے جس طرح شعر میں نقل کیا ہے ابوسفیان نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔

وعدنا اباسفیان بدرا فلم نجد

موعده صدقا وما کانا وافیا

البلاذری انساب الاشراف۔المکتبۃ التجاریۃ۔بیروت طبع اول ۱۹۹۶ء،ج اص ۴۱۷

۳۔ ایضاً ص ۴۱۷،۱۸

۴۔ ایضاً:ص ۱۶، ۴۱۵

۵۔ ایضاً:ص ۴۱۹

۶۔ ایضاً:ص ۴۲۱

۷۔ ایضاً:ص ۴۲۳

۸۔ ایضاً

۹۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ایضاً ص ۳۳۷، مابعد

۱۰۔ ایضاً: ص ۴۲۷

۱۱۔ سورۃ الاحزاب

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ ابن ہشام ج ۳، ص ۲۳۵۔ تاہم ابوسفیان سے جنگ کے دوران تحریری خط و کتابت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ ذات خود یہ واضح فرمایا تھا کہ خندق کھودنے کی تدبیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ ذریعہ الہام عطا کی گئی تھی۔ دیکھئے واقدی: ج ۱ص ۴۲۱

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ ایضاً: ص ۲۴۳

۱۶۔ ایضاً: ص ۲۶۶۔ چناں چہ یہی ہوا کہ قریش پھر اہل مدینہ پر حملہ آور نہ ہو سکے، بل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ان پر چڑھائی کی یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دست مبارک پر مکہ فتح ہو گیا۔ (ایضاً)

۱۷۔ بخاری۔ باب غزوۃ الخندق وہی الاحزاب: ج ۵ ص ۱۴۱

۱۸۔ بنوقریظہ سے معاہدہ و میثاق استوار سے قائم تھا (ابن سعد: ج ۲، ص ۷۷) بنوقریظہ کی طرف سے عہد و میثاق توڑنے کی اطلاع آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عین اس وقت ملی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق کی بے پناہ مصروفیات میں مشغول تھے۔ آپ ﷺ نے سب سے پہلے حضرت زبیر بن العوام کو حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے مدینے کی آبادی میں روانہ فرمایا۔ اور جب یہ خبر صحیح نکلی تو پھر حضرت سعد بن معاذ و سعد بن عبادہ اور رسید بن حضیرؓ کو سمجھانے کے لئے روانہ فرمایا تھا (واقدی۔ المغازی: ج ۱، ص ۳۹۱) ان حضرات صحابہ نے بنوقریظہ کے نقص عہد کی تصدیق کی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حیرت انگیز طور پر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور مسلمانوں کو خوش خبری دی (ابن ہشام: ج ۳، ص ۲۳۲) یعنی مغلوبی بنوقریظہ کی پیشگی اطلاع۔

۱۹۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نزدیک اندرون مدینہ مسلمان آبادی کے لئے خطرات قریش و غطفان سے زیادہ بنو قریظہ سے لاحق تھے، جو قریش کے زیر اثر بے وفائی و بدعہدی کے بعد مسلمانوں کے دشمن بن گئے تھے) الواقدی: ص ۳۹۳) مولانا شبلیؒ نے لکھا ہے کہ (مسلمان) مستورات کو جس قلعے میں رکھا گیا تھا بنوقریظہ کی آبادی سے متصل تھا، یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیت (المسلمین) آں حضرت ﷺ کے ساتھ ہے، قلعے پر حملہ کیا ایک یہودی قلعے کے پھاٹک تک پہنچ گیا، وہ قلعے پر اچانک حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا، حضرت صفیہؓ (آپ ﷺ کی پھوپھی) نے دیکھ لیا۔ انہوں نے خیمے کی ایک چوب اکھاڑ لی اور اتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا اور پھر اس کا سر کاٹ کر قلعے کے نیچے پھینک دیا۔ یہودیوں کو یقین ہو گیا کہ شاید قلعے میں بھی کچھ فوج متعین ہے اس خیال سے پھر انہوں نے حملے کی جرأت نہ کی۔ (شبلی ج ۱ ص ۴۰۰ ملخصاً) حدیث کے مطابق (البزار عن الزبیر بن العوام) جہاں کا واقعہ مولانا شبلی نے لکھا ہے، اس قلعے کا نام فارع تھا (دیکھئے: ابن کثیر السیرۃ النبویہ: ج ۳، ص ۲۸۔ نیز محمد احمد باشمیل غزوۃ الاحزاب دار الکتب ۱۹۶۵ء/ ص ۲۲۵، ۲۰ حلبی: ج ۲، ص

۲۰۔ حلبی: ج ۲، ص ۳۴۵

۲۱۔ لما کان یوم الاحزاب حصر النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ بضع عشرۃ لیلۃ (ابن سعد: ۲/ص ۷۳) قال موسیٰ بن عقبۃ احاط المشرکون بالمسلمین حتی جعلوھم فی مثل الحصن من کنا ئبھم، حاصروھم قریباً من عشرین لیلۃ (ابن کثیر: ج ۳، ص ۲۰۹)

۲۲۔ خاص طور پر آخری تین دن یعنی پیر، منگل اور بدھ کے ایام، اللہ کی فتح ونصرت بہ شکل ریح اور جنو دلم تروھا، غیر مرئی افواج ملائکہ آگئی۔ اکا دکا انفرادی مقابلوں میں بھی کفار ومشرکین اور عمرو بن عبدود جیسے مشاہیر مارے گئے

۲۳۔ شبلی: ج ۱، ص ۴۰، ۳۹۹۔ کفار ومشرکین کی جانب سے شدید محاذ آرائی اور مسلسل جنگ کے سبب نمازوں کا قضا ہو جانا رحمۃ للعالمین ﷺ کے لئے اتنا زیادہ تکلیف دہ اور باعث حزن وملال تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان بدبختوں کے حق میں بددعا پر مجبور ہوئے۔ چناں چہ بخاری میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ خندق والے روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بددعا فرمائی، اللہ ان (دشمنوں) کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔ جس طرح انہوں نے ہماری نماز عصر قضا کرادی۔ (صحیح البخاری، باب الخندق وھی الاحزاب: ج ۵، ص ۱۴۱) غالباً اسی دن کی آپ ﷺ کی یہ دعا بھی منقول ہے۔ اللھم منزل الکتاب سریع الحساب اھزم الاحزاب اللھم اھزمھم وزلزلھم ایضاً: ص ۱۴۲

۲۴۔ غزوۃ الاحزاب عام روایتی قسم کی نہیں بل کہ خاص حالات کی غیر معمولی جنگ تھی۔ نہ عمومی جنگوں کی طرز پر اس میں میدان جنگ سجانہ فریقین کی جملہ افواج کو ایک دوسرے کے سامنے صف بندی کا موقع ملا۔ (دونوں برسرپیکار فوجوں کے درمیان لمبی چوڑی گہری خندق حائل تھی۔ ایک طرف کفار ومشرکین اپنے گھوڑے دوڑا کر خندق کی وہ جگہیں تلاش کرنے میں لگے رہتے تھے، جہاں خندق کچھ کم چوڑی ہو، لیکن دوسری طرف خندق کی نگرانی وچوکسی کرنے والے صحابہ کرام کے چاق وچوبند دستے تیر وتبر سے لیس ان کا قلع قمع کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ تاہم اکا دکا انفرادی مقابلے اور مبارزت طلبی کی مثالیں موجود ہیں۔ اس دن لشکر اسلامی کا شعار حم لاینصرون تھا، مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے۔ ابن ہشام: ج ۳، ص ۲۳۷۔ ابن اسحاق کے مطابق اس جنگ میں چھ (انصار) صحابہؓ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ (اوس میں سے) حضرت سعد بن معاذ، انس بن اولیس، عبداللہ بن سہیل جب کہ (خزرج میں سے) طفیل بن النعمان، ثعلبہ بن غنمہ اور کعب بن زید، حافظ دمیاطی نے قیس بن صیفی بن صخر کا نام مزید لکھا ہے۔ علاوہ ازیں اس جنگ میں تین مشرکین بھی مارے گئے۔ منبہ بن عبید العبدری (زخمی ہوا مکہ جا کر مرا) نوفل بن عبداللہ المخزومی اور عمرو بن عبدود (ملاحظہ ہو: السیرۃ النبویۃ والآثار المحمدیۃ، احمد زینی دحلان برحاشیہ السیرۃ الحلبیہ: ج ۲، ص ۴۵۔۱۴۴) یعقوبی نے سب سے مختلف مشرک مقتولین کی تعداد آٹھ لکھی ہے۔ تاریخ یعقوبی مطبوعہ دارصادر بیروت ۱۹۹۶ء: ج ۲

۲۵۔ سورۃ الاحزاب (کی ۱۷ آیات از آیت ۹ تا ۲۵) میں جنگ خندق کی مختلف تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً اعدائے اسلام کے لشکروں کی شمال مدینے اور جنوب کی طرف سے آمد اور اس کے نتیجے میں بے پناہ خطرات کہ

آنکھیں پھرا گئیں، اور دل منہ کو آنے لگے، ان نازک لمحات میں ایک طرف لشکر اسلامی میں شامل منافقین کا کردار بزدلانہ فرار کے لئے تیار (آیات ۱۲ تا ۲۰) اور دوسری طرف اہل ایمان کی پامردی، بے جگری، بہادری، عزم وثبات اور استقلال (آیات ۹ تا ۱۱) اور پورے واقعے میں سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل قیادت اور محاذ جنگ پر رہتے ہوئے بہ نفس نفیس موجودگی اور پورے عرصے میں بہ تقاضائے حالات خندق کی کھدائی، تیاری، نگرانی کے دوران تمام کاموں میں برابر کی حصے داری اور شراکت اور حسب حال مجاہدین کی دل جوئی، ان کے دکھ درد، خوشی غم، فاقہ کشی میں ساتھ ساتھ، نیز ناقابل شکست پتھروں اور سنگلاخ چٹانوں کو ضرب محمدی سے ریزہ ریزہ کر کے آئندہ فتوحات کی بشارتیں، اور شدائد ومشکلات میں صبر وثبات سے آسانیاں عطا کرتے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجموعی رویے اور مثالی طرز عمل کے پس منظر میں تمام اہل ایمان کے لئے آپ کے اسوۂ حسنہ کو نمونۂ عمل قرار دیا جانا (آیت ۲۱) خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مثالی طرز عمل کے ساتھ ساتھ ہر آن اللہ رب العالمین کی طرف رجوع اسی کی مدد واعانت کے طلب گار، فتح ونصرت کے ملتجی۔ **اللھم انی اسئلك عهدك ووعدك، اللھم ان تشاء لا تعبد** ۔ سیرت ابن کثیر: ج ۳ ص ۱۰۰۔ **اللھم استر عوراتنا وآمن وعاتنا، اللھم منزل الکتاب، سریع الحساب اهزم الاحزاب اللھم اهزمهم وزلزلهم، اللھم اهزمهم وانصرنا علیهم، لا اله الا الله وحده اعز جنده ونصر عبده وغلب الاحزاب وحده، فلاشئی بعده فصل فی دعائه** : ایضاً ص ۲۱۳،۱۴) آخر کار نتیجہ یہ نکلا کہ فتح ونصرت خداوندی آ پہنچی۔ ایک زبردست ہوا طوفان اور دوسرے نظر نہ آنے والی ملائکہ کی فوج جنگ کا پورا منظر نامہ افواج اسلام کے حق میں پلٹ گیا۔ کفار ومشرکین کی اتحادی افواج کو نہ فتح ملی نہ مال غنیمت، وہ سب بے طرح ناکام ونامراد ہو کر اپنے اپنے ٹھکانوں کو لوٹ گئے ورد الله الذین کفروا بغیظهم لم ینالوا خیرا اور پوری جنگ میں صرف اللہ ہی سب کے لئے کافی ہو گیا اور وہ اصلاً طاقت کا منبع وسر چشمہ اور زبردست ترین ہے (سورۃ الاحزاب آیات ۹ تا ۱۱ نیز ۲۴، ۲۵) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ترجمہ شیخ الہند وحاشیہ مولانا شبیر احمد عثمانی: ص ۵۴۳ تا ۵۴۵

۲۶۔ شمال مدینہ محاذ جنگ پر تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ ذات خود نگران اعلیٰ تھے۔ اصل خوف وخطرہ مدینے کی مسلمان مقامی شہری آبادی اور ان بچوں اور خواتین پر بنو قریظہ کی طرف سے چیرہ دستی کا تھا۔ جنہیں حفاظت کی غرض سے مختلف قلعوں میں رکھا گیا تھا۔ واقدی کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول تھا کہ لقد خفنا علی الذاری بالمدینة من بنی قریظة اشد من خوفنا من قریش وغطفان (ج ۱، ص ۳۹۳) اور اسی مضمون کو حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت میں بیان کیا گیا ہے کان خوفنا علی الذاری بالمدینة من بنی قریظة اشد من خوفنا من قریش حتی فرج الله ذلك (ج ۱، ص ۳۹۹) بہر حال شہری مسلمان آبادی کی حفاظت نگرانی اور [illegible] حصے بلند رکھنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری انتظام فرماتے ہوئے ایک سو مجاہدین کا ایک دستہ حضرت [illegible] سلمہ کے تحت اور تین سو فدائین کا ایک دستہ حضرت زید بن حارثہ کی سرکردگی میں اندرون مدینہ کی [illegible] متعین روانہ فرمایا تھا کہ مد[illegible] نعرہ تکبیر بلند کرتے

رہیں (واقدی ج ا،ص ۳۹۳) تا کہ دشمن کے دلوں پر ہیبت قائم رہے اور اہل ایمان کی ڈھارس بندھی رہے۔

۲۷۔ یعقوبی: ج ۲،ص ۵۰

۲۸۔ ابن ہشام: ج ۳،ص ۲۳۵

۲۹۔ واقدی: ج ا،ص ۴۱۹۔ ابوسفیان کے اس خط کا جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الفور روانہ فرمایا اور کسی خوف اور مرعوبیت کے بغیر توکل علی اللہ لکھا۔ ''تمہارا غرور ابھی تک نہیں مٹا؟ تم نے یہ جو ذکر کیا ہے کہ اپنے تمام جمع جتھوں کو اپنی سرکردگی میں لے کر آ گئے ہو اور تمہارا اٹل ارادہ ہے کہ ہمارا مکمل استیصال کئے بغیر نہ لوٹو گے تو یہ تو اللہ کا معاملہ ہے۔ وہی فیصلہ کنندہ ہے کہ ہمارے حق میں وہی نتیجہ سامنے لائے کہ تم لات وعزیٰ کو بھول جاؤ۔ اور تمہارا یہ پوچھنا کہ خندق کی تدبیر (ترکیب) ہمیں کس نے سکھائی ہے تو یہ دراصل مجھے الہام کے ذریعے اللہ نے ہی تعلیم دی ہے، تا کہ تمہارے غیظ وغضب سے اور تمہارے (اتحادیوں کے) خوف ناک عزائم سے مدافعت ہو سکے، اور وہ دن بالآخر آ جائے کہ تمہارے لات وعزیٰ، اساف ونائلہ اور ہبل (وغیرہ تمام بتوں) کو مسمار کر دیا جائے اور یہ تم واقعی جان لو۔ (متن کے لئے دیکھئے۔ ایضاً) کم وبیش تمام مآخذ میں بلا استثنا دفاع مدینہ کے لئے خندق کھودنے کی تجویز حضرت سلمان فارسی کی پیش کردہ منقول ہے، لیکن واقدی نے جنگ خندق کے دوران آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان کے درمیان خط وکتابت میں جو متن نقل کیا ہے اس میں یہ صراحت موجود ہے کہ یہ الہامی تعلیم کا نتیجہ تھا۔

۳۰۔ کفار ومشرکین اور یہود بنی قریظہ کے درمیان گٹھ جوڑ یہ ہوا تھا کہ کفار ومشرکین اور دیگر اتحادی افواج شمال مدینہ سے حملہ آور ہوں گی جب کہ یہود بنوقریظہ جنوب مدینہ سے۔ دشمنوں کی طرف سے دو طرفہ حملے کا منصوبہ انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ چناں چہ بنوقریظہ کی بدعہدی اور علی الاعلان سرکشی کے بعد یہ انتظام ضروری تھا کہ دشمنان اسلام کے یہ دونوں دھڑے باہم نہ مل سکیں بل کہ ان میں پھوٹ ڈال کر انہیں ایک دوسرے سے بدظن کر دیا جائے، تا کہ ان کی مکروہ سازش روبہ عمل نہ آ سکے۔ اس سلسلہ میں مرکزی کردار، ایک نومسلم صحابی حضرت ابونعیم بن مسعود الاشجعی الغطفانی نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین پر انجام دیا۔ جن کے ایمان لانے کی اطلاع فریقین کو اس وقت تک نہیں ہوئی تھی۔ یہ باری باری بنوقریظہ اور قریش مکہ دونوں کے پاس گئے اور دونوں کو ایک دوسرے سے بدظن کرنے میں کامیاب رہے۔ چناں چہ دونوں ایک دوسرے سے کھچ گئے اور نتیجتاً بہ یک وقت حملہ آور ہونے کا منصوبہ ختم ہو گیا۔ (تفصیل تمام، مآخذ میں پائی جاتی ہے، مثلاً واقدی ج ا،ص ۴۰۹ ابن ہشام ج ۳،ص ۲۴۲-۲۴۰)

۳۱۔ محمود شیت خطاب۔ الرسول القائد، دار القلم بیروت، طبع ثالث: ص ۲۸-۲۲۹

۳۲۔ ایضاً جنگ بدر اور جنگِ خندق میں کئی باتیں مشترک ہیں۔ جنگ بدر اور جنگ خندق دونوں فیصلہ کن ثابت ہوئیں۔ جنگ بدر نے حق وباطل کا فرق واضح کر دیا کفر اور اسلام کی برتری ثابت ہو گئی۔ اسلام کی حقانیت اور نظریہ توحید کا اثبات وجواز میدان بدر میں ہی سامنے آ گیا۔ اہل ایمان اپنی تعداد اور قلت وسائل کے باوجود،

کفر وشرک کے تین گنا بڑے لشکر کے مقابلے میں فتح یاب ہوئے۔ جنگ خندق نے اسلام، ریاست مدینہ اور اہل ایمان کے صرف تین ہزار افراد پر مشتمل، قلت وسائل اور فاقہ کش مجاہدین کے لشکر کو کفار ومشرکین عرب اور یہود خیبر ومدینہ کی ٹڈی دل فوج پر غالب کر دیا۔ قریش مکہ اور یہود مدینہ کی کمر ٹوٹ گئی اور یہ حقیقت سب کے سامنے آگئی کہ عرب کی کوئی مخالفت اسلام قوت نہ تنہا ریاست مدینہ کو ختم کر سکتی ہے اور نہ باہم دگر متحدہ قوت کے ساتھ مسلمانوں کا استیصال کیا جا سکتا ہے۔ اللہ کی فتح ونصرت اور ملائکہ کی فوج جنگ بدر میں رکاب نبوی ﷺ تھامے ہوئے تھی اور جنگ خندق میں بھی اللہ کی مدد واعانت، آندھی اور طوفان کی شکل میں آگئی جس نے دشمنوں کے دلوں میں رعب اور خوف پیدا کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جنگ بدر میں بھی کفار ومشرکین کو شکست فاش ہوئی اور جنگ خندق میں بھی کفار ومشرکین اور یہود کی مشترکہ مجتمع قوت خاک میں مل گئی۔

۳۲/الف۔ الاحزاب: ۹

۳۳۔ مثلاً ابن ہشام کے ہاں (ج ۳ ص ۲۴۲ تا ص ۲۴۴) واقدی المغازی (ج ۱ ص ۱۷۔ ۴۱۶) طبری تاریخ الامم والملوک (ج ۲ ص ۴۴۔ ۲۴۳) وغیرہ وغیرہ۔

۳۳/الف۔ الاحزاب: ۲۴

۳۴۔ ابن ہشام: ج ۳ ص ۲۴۴

۳۵۔ ایضاً: ص ۴۵۔ ۲۴۴

۳۵/الف۔ الاحزاب: ۹ تا ۲۵

۳۵/ب۔ الاحزاب: ۲۶، ۲۷

۳۶۔ ابن ہشام نے بھی **ما نزل فی الخندق وبنی قریظة** کے زیر عنوان سورۃ الاحزاب کا حوالہ تفصیلی طور پر دیا ہے۔ ایضاً: ص ۵۷، ۲۵۶۔

۳۷۔ ایضاً: ج ۳ ص ۴۵۔ ۲۴۴

۳۸۔ بنی قریظہ کا محاصرہ ابن ہشام کے نزدیک پچیس دن (ج ۳ ص ۲۴۶) جاری رہا۔ جب کہ ابن سعد نے ۱۵ دن (ج ۲ ص ۷۴) لکھا ہے اور یہی صحیح ہے۔

۳۹۔ ابن سعد کے مطابق ان کا نام ونسب یہ تھا: سعد بن معاذ بن النعمان بن امری القیس بن زید بن عبد الاشہلی، کنیت ابو عمرو تھی۔ بیعت عقبہ کبیرہ سے پہلے جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بہ طور معلم مدینہ بھیجے گئے تو یہ انہی کے ہاتھوں پر ایمان لائے اور پھر ان کے گھرانے کا کوئی ایسا نہ بچا جس نے اسلام قبول نہ کر لیا ہو۔ پھر مدینے میں ان ہی کا گھرانہ اشاعت اسلام کا مرکز قرار پایا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مواخاۃ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (یا ابن اسحاق کے مطابق حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ) سے کرائی تھی۔ جنگ بدر میں اوس کا علم حضرت سعد بن معاذ کے ہاتھوں میں تھا۔ وہ غزوۂ احد میں بھی معیت رسول میں تھے اور غزوہ خندق میں بھی۔ وہ لمبے چوڑے، حسین وجمیل آدمی تھے اس لئے جنگ خندق میں ان

کے بدن پر ذرہ ذرا چھوٹی پڑ گئی تھی اس لئے بدن کے کنارے کھلے رہ گئے تھے۔ جنگ خندق میں مشرکین مکہ کی طرف تیراندازی کرنے والوں میں ابن العرقہ شامل تھا جس نے حضرت سعد کو للکارتے ہوئے تاک کر تیر مارا جوان کے بازو کی شہ رگ میں لگا۔ یہی زخم آخر کار تقریباً ایک ماہ بعد ان کی شہادت کا سبب بنا۔ جنگ خندق کے بعد مسجد نبوی کے صحن میں ہی ایک شامیانہ لگا کر حضرت سعد کو زخم کے علاج کے لئے رکھا گیا، جہاں ایک جراح خاتون (رفیدہ انصاریہ) دیکھ بھال کرتی تھیں۔ زخم لگنے کے بعد ہی حضرت سعدؓ نے اللہ کی بارگاہ میں یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ اگر قریش مکہ کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائیاں آئندہ باقی رہ گئیں ہیں تو مجھے بھی زندہ باقی رکھ لیکن اگر قریش سے جنگوں کا خاتمہ ہو گیا ہے تو مجھے بھی اٹھا لے۔ اور مجھے اس وقت تک نہ موت دے جب تک کہ بنو قریظہ کے انجام سے میں اپنی آنکھیں ٹھنڈی نہ کرلوں۔ پھر جب یہود بنی قریظہ کی رضامندی سے حضرت معاذ کو حکم مقرر کیا گیا تو انہوں نے فیصلہ سنایا کہ ''ان کے بالغ مرد قتل کر دیئے جائیں اور عورتیں اور بچے لونڈی غلام بنا لئے جائیں اور ان کی املاک مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے''۔ آں حضور ﷺ نے اس فیصلے کے بعد ہی حضرت سعدؓ سے فرمایا تھا کہ ''تم نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم تھا'' 'لقد حکمت فیھم بحکم اللہ ورسولہ' اس فیصلے کے بعد ہی حضرت سعد کا زخم پھٹا وہ بگڑ گیا اور آخر کار ان کی شہادت واقع ہو گئی۔ تفصیل اور حوالے کے لئے دیکھئے: ابن سعد، الطبقات الکبری، بیروت ۱۹۵۷ء: ج ۳ ص ۴۲۰ تا ۴۳۶ ملخصاً۔ ابن ہشام: ج ۳، ص ۲۶۲۔ حضرت سعد بن معاذ کی شہادت قریش مکہ سے اختتام جنگ کی علامت قرار پانے کو حضور ﷺ کا یہ قول مبارک مزید موکد کرتا ہے۔ الآن تغزوھم ولا یغزوننا نحن نسیر الیھم یہ قول مبارک تاریخی حقیقت بن گیا۔ کفار مکہ کو پھر کبھی یہ جرأت نہ ہو سکی کہ مدینے پر لشکر کشی کر سکیں

۴۰۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ ابن ہشام: ج ۳ ص ۲۴۷ و مابعد۔

۴۱۔ وھم یقولون یا اباعمرو احسن فی موالیك فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما ولاك ذلك لتحسن فیھم (ایضاً: ص ۲۵۰)

۴۲۔ ابن ہشام: ج ۳ ص ۲۵۱

۴۳۔ واٹ۔ محمد ایٹ مدینہ: ص ۲۹

۴۴۔ ایضاً: ص ۳۰

۴۵۔ ایضاً: ص ۳۴

۴۶۔ ایضاً: ص ۳۵

۴۷۔ ایضاً: ص ۳۵

۴۸۔ ایضاً: ص ۳۹

۴۹۔ ایضاً

۵۰۔ اس کی تفصیل اگرچہ تمام مآخذ میں پائی جاتی ہے، تاہم ایک سرسری مگر کارآمد فہرست ایک ہم عصر تحریر میں دیکھی

جاسکتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ رفیق ڈوگر۔ الامین: ج ۴ ص ۳۰۱ تا ۳۰۳

۵۱۔ واٹ۔ احمد اینڈ مدینہ: ص ۴۰

۵۲۔ ایضاً

۵۳۔ ایضاً

۵۴۔ ایضاً: ص ۴۵

۵۵۔ ایضاً

۵۶۔ شبلیؒ: ج ۱ ص ۴۱۷

۵۷۔ ڈاکٹر حمید اللہ/ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی۔ دارالاشاعت۔ کراچی ۱۹۸۷ء: ص ۱۰۴

۵۸۔ ایضاً۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی انگریزی کتاب (مترجم ص ۱۳۸) میں (پیراگراف نمبر ۵۴) ان عطیات اور ان کے اثرات کا ذکر کیا ہے۔

۵۹۔ ایضاً

۶۰۔ ایضاً۔ واٹ نے صلح حدیبیہ اور اس کے ماقبل و مابعد واقعات وحوادث کے بیان پر مشتمل باب سوم کا عنوان ص ۴۰ پر The Winnings of the Meccans (اہل مکہ کا دل جیتنا) قائم کیا ہے۔ جس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اہل مکہ (قریش) کے دل جیتنے کے لئے صلح وآشتی کا راستہ اختیار کیا گیا اور اس میں ظاہر ہے کہ پہل آپ ﷺ نے ہی فرمائی۔ علاوہ ازیں جزیرہ نمائے عرب کے زمینی معروضی حالات اور سیاسی معاشرتی تغیرات توسیع ریاست مدینہ اور عروج دعوت نبوی ﷺ کی طرف اشارہ کررہے تھے۔

۶۱۔ واقدی۔ کتاب المغازی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان ۲۰۰۴ء: ج ۲ ص ۵۰

۶۲۔ ایضاً

۶۳۔ ایضاً

۶۴۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی: ص ۱۰۲

۶۵۔ ایضاً ص ۱۰۴

۶۶۔ ابن سعد ج ۲ ص ۹۳، ۹۴ (ملخصا) ابن سعد ۲۳۰ھ نے طبقات میں سریہ عمرو بن امیہ الضمری کی تاریخ تو ذکر نہیں کی لیکن سریہ کرز بن جابر الفہری کے واقعے شوال ۶ھ کے متصل بعد اور غزوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیبیہ (ذی قعدہ ۶ھ) سے عین پہلے اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے (ایضاً) واقعاتی ترتیب کے لحاظ سے یہ محل وقوع زیادہ قرین صواب معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ طبری نے ۳۱۰ھ ذکر الاحداث التی کانت فی سنۃ اربع من الھجرۃ کے تحت تفصیلات ذکر الخبر عن عمرو بن امیۃ الضمری: ج ۲ ص ۲۱۸۔۲۱۶ دی ہیں۔ غالباً طبری کی ہی متابعت میں ابن الاثیر نے ۶۳۰ھ نے بھی ۴ھ کے واقعات میں ذکر ارسال عمرو بن امیۃ لقتل ابی سفیان کے عنوان سے بیان کئے ہیں۔ الکامل فی التاریخ ۱۹۸۷ء: ج ۲ ص ۶۰ تا ص ۶۲

۶۷۔ علامہ زینی الدحلان نے اپنی کتاب السیرۃ النبویۃ والآثار المحمدیہ۔ مطبعۃ الاستقامۃ۔ قاہرہ مصر ۱۹۶۲ء، ج ۲ ص ۱۹۰) میں واقعے کی تفصیل کے علاوہ اجرتی قاتل کا یہ اعترافی بیان بھی نقل کیا ہے۔ (دیکھئے یہ حاشیہ السیرۃ الحلبیہ: ج ۲ ص ۱۹۰) صلح حدیبیہ سے پہلے مکے کے ایک شہری مشرک، قاتل کا انفرادی طور پر ایمان لانا گویا نیک شگون تھا، جب کہ صلح حدیبیہ کے بعد کفار و مشرکین مکہ اور دیگر علاقوں میں بسنے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد داخل اسلام ہوئی

۶۸۔ ابن سعد: ج ۲ ص ۹۴۔

۶۹۔ **فدخل مكة ومضى عمرو بن امية يطوف بالبيت ليلاً فراه معاوية بن ابى سفيان فعرفه فاخبر قريشاً بمكانه۔** (ابن سعد: ج ۲ ص ۹۴) مولانا ادریس کاندھلوی نے عمرو بن امیہ کو دیکھنے والوں میں حضرت ابوسفیان کو شمار کیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ السیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: ج ۲، ص ۳۳۶

۷۰۔ **وقالوا: لم يات عمرو لخير**۔ ابن سعد: ج ۲ ص ۹۴

۷۱۔ **ايضاً فجعل عمرو يخبر رسول الله خبره ورسول الله صلى الله عليه وسلم يضحك**

۷۲۔ محمد علی خاں۔ تقویم عہد نبوی: ص ۹۸

۷۳۔ ابن سعد: ج ۲، ص ۹۵۔ ابن ہشام نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت سے اصحاب الحدیبیہ کی کل تعداد ۱۴۰۰ لکھی ہے اور یہی مشہور ہے۔ ابن ہشام: ج ۳ ص ۳۲۲

۷۴۔ مفسرین کے مطابق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلح حدیبیہ کے بعد مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لا رہے تو راستے میں یہ سورت (سورۃ الفتح نمبر ۴۸) نازل ہوئی۔ اس کی پہلی ہی آیت **انا فتحنا لك فتحاً مبينا** میں صلح حدیبیہ کو فتح مبین کے نام سے یاد کیا گیا۔ اور اس کی برکتوں میں اللہ تعالیٰ کی زبردست مدد (آیت ۲، ۳) کو بھی شمار کیا گیا۔ اسی سورہ کی آیت ۲۷ میں اُس خواب کا ذکر ہے کہ **لقد صدق الله رسوله الرؤيا بالحق لتدخلن المسجد الحرام انشاء الله آمنين محلقين رؤسكم و مقصرين لاتخافون** بے شک اللہ نے اپنے رسول کو وہ سچا خواب دکھایا کہ اللہ نے چاہا تو تم لوگ مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے اپنے سر منڈاتے ہوئے اور اپنے بال کترواتے ہوئے امن و امان کے ساتھ اور تمہیں کسی طرح کا خوف نہ ہوگا۔

۷۵۔ وليعلم الناس انه انما خرج زائراً لهذا البيت ومعظماً له۔ ابن ہشام: ج ۳ ص ۳۲۲

۷۶۔ واقدی: ج ۲ ص ۷۰، ۷۱۔ نیز دیکھئے۔ ابن سعد: ج ۲ ص

۷۷۔ اثنائے سفر میں جب آں حضرت ﷺ جحفہ اور مکہ کے درمیان مقام عسفان پر پہنچے تو آپ کی خدمت میں بشر ابن سفیان الکعبی نے حاضر ہو کر بتایا کہ آپ کے آنے کی خبر سن کر قریش معہ جن بچے کے نکل کر آ گئے ہیں اور انہوں نے قسم کھا رکھی ہے کہ وہ کسی قیمت پر آپ کو حرم کعبہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ ابن ہشام: ج ۳ ص ۳۲۳

۷۸۔ ایضاً

۷۹۔ حدیبیہ جنوب مغربی سمت میں (حرم کی عمارت میں واقع باب الحدیبیہ کی سیدھ میں) کعبۃ اللہ سے تقریباً ۹، ۱۰ میل ۲۱ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ راقم الحروف نے پہلی بار ۱۹۹۱ء میں اس کی زیارت کی سعادت حاصل کی، پھر

متعدد بار جانا ہوا۔ حدیبیہ کا اصل مقام پرانے جدہ مکہ روڈ پر ہے سڑک کے دونوں طرف تختی کتبے لگے ہیں، ایک طرف لکھا ہے کہ یہاں پر حد حرم ختم ہوتی ہے اور دوسرے میں لکھا ہے کہ یہاں سے حد حرم شروع ہوتی ہے، پہلے یہاں ایک بڑے پرانے کنویں کے آثار، شکستہ مسجد کا کچھ حصہ اور قریب ہی ببول کی جھاڑیاں تھیں، یہ آثار بیعت الرضوان کی یاد دلاتے تھے۔ اب سڑک کی توسیع (دو رویہ ہو جانے) اور مرمت کے بعد آثار تقریباً محو ہو چکے ہیں۔ اسی سڑک پر پرانے آثار سے ۲ کلومیٹر آگے حدیبیہ کی علامتی یادگار کے طور پر ایک بڑی مسجد ''مسجد شمسی'' کے نام سے حکومت کی طرف سے بنادی گئی تھی، اب وہی معروف ہے پرانی مسجد و آثار اور محل وقوع سے واقفیت عام طور پر نہیں پائی جاتی۔ ڈاکٹر شوقی ابوخلیل نے اطلس القرآن (مطبوعہ دار الفکر بیروت ۲۰۰۳ء) میں نقشہ پر الحدیبیہ کی نشان دہی کردی ہے (دیکھئے: ص ۲۴۴) جب کہ اطلس الحدیث النبویؐ میں (مطبوعہ دار الفکر بیروت ۲۰۰۳ء، ص ۱۴۱ پر) نقشے میں مقام الحدیبیہ کو دکھایا ہے اور ایک کونے میں الحدیبیہ کی پرانی مسجد کا عکس بھی دیا۔ جب کہ تیسری کتاب اطلس السیرۃ النبویہ (دار الفکر بیروت ۲۰۰۳ء) میں ص ۱۶۰ پر نقشے میں الحدیبیہ کی نشان دہی کی گئی ہے، جب کہ اگلے ص ۱۶۱ پر ایک طرف پرانی مسجد الحدیبیہ کی عکسی تصویر ہے اور دوسری طرف نئی مسجد شمسی کا عکس مختصر ہے۔ مولانا مودودیؒ کے سفرنامہ ارض القرآن (پر مشتمل کتاب۔ مولفہ محمد عاصم۔ اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۶ء ایڈیشن) میں حدیبیہ آثار سے متعلق ضروری تفصیل درج ہے مولانا مودودیؒ نے اصل پرانی مسجد حدیبیہ کی زیارت ۱۹۵۹ء میں کی تھی۔ پرانی مسجد حدیبیہ کی تعمیر ۱۲۵۵ء میں ہوئی تھی اور مرمت ۱۲۶۰ھ میں۔ مسجد کے اندر محراب کے پاس سیاہ سفید تین تختے لگے ہوئے تھے، جن پر تفصیلات درج تھیں (ملاحظہ ہو ص ۸۶۔۱۸۵) قدیم جدہ مکہ روڈ پر جہاں اصل پرانے آثار تھے، اسی سڑک پر ہوٹل انٹر کونٹی نینٹل کی عمارت، رابطۃ الاسلامی کا دفتر، غلاف کعبہ تیار کرنے والا کارخانہ بھی واقع ہے، اب سڑک دو رویہ بن چکی ہے اور پولیس چوکی بھی قائم ہوگئی ہے۔ مصروف سڑک ہے۔

۸۰۔ ابن ہشام: ج ۳ ص ۲۶۔۳۲۵

۸۱۔ ایضاً: ص ۳۲۶

۸۲۔ ایضاً

۸۳۔ ایضاً: ص ۳۲۸

۸۴۔ ایضاً

۸۵۔ ایضاً: حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مصری مولف ہیکل نے اس واقعے کو اگرچہ قریش کا حملہ کا عنوان قائم کرکے بیان کیا ہے (دیکھئے: ص ۵۸۰) لیکن آگے چل کر کسی سند کے بغیر حضرت خالد بن ولید کے ایک دستے کے ساتھ مسلمانوں پر ٹوٹ پڑنے کا واقعہ بھی لکھا ہے۔ (ص ۵۸۳) یہ ناقابل فہم ہے۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی معذرت کے بعد حضرت عثمانؓ کو بلا بھیجا اور ان کو ابوسفیان اور دیگر اشراف قریش کی طرف اس خبر کے ساتھ بھیجا کہ آپ ﷺ کسی جنگ و جدال کے لئے نہیں آئے، بل کہ بیت اللہ کی زیارت کا قصد لے کر اس کی حرمت و عظمت کی خاطر آئے ہیں۔ (ج ۳، ص ۳۲۹) جب کہ واقدی نے لکھا ہے

کہ حضرت عثمان سفیر رسول کی حیثیت سے مکہ مکرمہ آ کر اشرافِ قریش سے فرداً فرداً ملے۔ اس سلسلے میں ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ وغیرہ کا نام مذکور ہے (واقدی: ج ۲ ص ۹۰) ان تصریحات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اُس وقت ابوسفیان مکہ مکرمہ میں موجود تھا۔ لیکن ڈاکٹر حمید اللہؒ نے اپنی رسول اکرم کی سیاسی زندگی میں بالالتزام یہ لکھا ہے کہ " مکے میں عجیب بدنظمی تھی اور کوئی مرکزیت نہیں پائی جاتی تھی۔ ان کا سب سے بااثر سردار ابوسفیان بھی کسی نامعلوم راستے سے چھپ چھپا اور بچ بچا کر اُن دنوں شام گیا ہوا تھا۔ اس لئے حضرت عثمانؓ نظر بند ہو گئے اور ان کی واپسی میں دیر ہوئی" (ملاحظہ کیجئے: ص ۱۰۶) جب کہ دوسری کتاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مترجم اردو) میں رقم طراز ہیں کہ " جب سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ چند ہفتوں بعد مکہ مکرمہ کے نواح میں واقع حدیبیہ کی مہم پر تشریف لے گئے تو ابوسفیان رومی بادشاہ ہرقل کی ایرانیوں پر فتح کے بعد شکریے کے اظہار کے لئے بیت المقدس (شام) میں پہنچنے پر اس سے ملاقات کے لئے جانے کی بنا پر مکہ مکرمہ میں موجود نہیں تھا" (ص: ۱۳۸) جب کہ تفسیر ابن کثیر کے مطابق آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو ایک خط کے ساتھ بھیجا تھا۔ چناں چہ مکہ میں حضرت عثمان نے وہ خط جن رؤسائے قریش کو پیش کیا ان میں ابوسفیان و دیگر شامل تھے۔ (ج ۶ ص ۳۳۳۔ نیز ص ۳۵۰) جب کہ سیرۃ حلبیہ کے حاشیے پر قصۃ الحدیبیہ کے زیر عنوان یہ تصریح ہے کہ حضرت عثمان کو جو خط دیا گیا وہ اشراف قریش کے نام تھا، یہ اطلاع دیتے ہوئے کہ آپ ﷺ صرف زیارت بیت اللہ کے لئے آئے ہیں۔ آپ نے حضرت عثمان کو یہ حکم بھی دیا کہ مکہ میں مقیم ضعفا مومنین و مومنات سے جا کر ملیں، تسلی دیں، فتح مکہ کی بشارت سنائیں اور اطلاع دیں کہ عن قریب وقت آنے والا ہے کہ ایمان مخفی رکھنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ چناں چہ حضرت عثمانؓ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو ان کے ہم راہ دس صحابہ کرام بھی، تاکہ وہاں آباد اہل ایمان سے ملیں اور خوش خبری دیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ بر حلبیہ: ص ۲۰۸) واقدی میں خود حضرت عثمانؓ کا بیان ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں جا کر وہاں مقیم مومنین مومنات سے ملے اور انہیں فتح کی بشارت دی (ج ۲ ص ۹۰)

۸۶۔ ابن ہشام: ج ۳ ص ۳۲۹

۸۷۔ ایضاً: ص ۲۳۰

۸۸۔ ایضاً

۸۹۔ ایضاً

۹۰۔ بیعت رضوان اپنی نوعیت و ماہیت میں بہت خاص تھی۔ سورہ فتح (آیت ۱۰) میں بتایا گیا کہ جو لوگ اے رسول (ﷺ) آپ کے دست اقدس پر بیعت جہاد برائے قصاص عثمانؓ کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ اس لئے اللہ کی جانب سے مسلسل مدد و حمایت اور تائید و رضائے الٰہی شرکائے بیعت کو حاصل رہی۔ ایک اور خاص بات بیعت رضوان کی یہ تھی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی اپنے ہاتھ کو ان کا قائم مقام بنا کر بیعت فرمائی۔

۹۰/ الف۔ الفتح: ۱۸

۹۱۔ ابن کثیر نے غالباً وقائع کی ترتیب مدنظر رکھتے ہوئے بیعت منعقد ہونے سے پہلے حضرت عثمانؓ کا مکہ مکرمہ جانے اور وہاں روک لئے جانے کی تفصیل ذکر سبب هذه البيعة العظيمة کا عنوان قائم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ج ۶ ص ۳۳۲

۹۲۔ آں حضورﷺ نے سہیل بن عمرو کو آتا ہوا دیکھا تو فرمایا قد سهل لكم من امر كم ۔ سہیل کے ذریعے اللہ تمہارا معاملہ آسان کررہے ہیں۔ یہ گویا پیشین گوئی تھی کہ صلح حدیبیہ کے لئے حالات پوری طرح ساز گار ہیں۔ (ایضاً: ص ۳۵۴)

۹۲/ الف۔ الفتح: ۲۲

۹۲/ ب۔ الفتح: ۲۵

۹۳۔ ایک مفسر کی یہ تصریح تاریخی صداقت رکھتی ہے کہ مصلحت جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ میں جنگ نہ ہونے دی۔ اس مصلحت کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ مکہ معظمہ میں اس وقت بہت سے مسلمان مرد و زن ایسے موجود تھے جنہوں نے یا تو اپنا ایمان چھپا رکھا تھا یا جن کا ایمان معلوم تھا مگر وہ اپنی بے بسی کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکتے تھے اور ظلم و ستم کے شکار ہو رہے تھے۔ اس حالت میں اگر جنگ ہوتی اور مسلمان کفار کو رگیدتے ہوئے مکہ معظمہ میں داخل ہوتے تو کفار کے ساتھ ساتھ یہ مسلمان بھی نادانستگی میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے جاتے۔ ......دوسرا پہلو اس مصلحت کا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ قریش کو ایک خوں ریز جنگ میں شکست دلوا کر مکہ فتح کرانا نہ چاہتا تھا۔ بل کہ اس کے پیش نظر یہ تھا کہ دو سال کے اندر ان کو ہر طرف سے گھیر کر اس طرح بے بس کر دیا جائے کہ وہ کسی مزاحمت کے بغیر مغلوب ہو جائیں اور پھر پورا کا پورا قبیلہ اسلام قبول کر کے اللہ کی رحمت میں داخل ہو جائے جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر ہوا۔ دیکھئے مودودی۔ تفہیم القرآن۔ مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور ۱۹۷۱ء: ج ۵ ص ۵۹

۹۴۔ ابن کثیر۔ تفسیر: ج ۶ ھ ۲۷۔ ۳۲۶

۹۵ ایضاً: ص ۳۲۷

۹۶۔ ایضاً نیز دیکھئے بخاری: باب غزوۃ الحدیبیہ: ج ۵ ص ۱۵۶۔ ۱۵۵

۹۶/ الف۔ مولانا شبلی: ج ۱ ص ۲۵۔ ۴۲۱

۹۶/ ب۔ سیاسی زندگی: ص ۹۔ ۱۰۷

۹۷۔ هذا ما صالح عليه محمد بن عبد الله سهيل بن عمرو، اصطلحا على وضع الحرب عن الناس عشر سنين يامن فيهن الناس ويكف بعضهم عن بعض ابن ہشام: ج ۳ ص ۳۳۲

۹۸۔ على انه من اتى محمداً من قريش بغير اذن وليه رده عليهم ومن جاء قريشاً ممن مع محمد لم يردوه عليه وان بيننا عيبة مكفوفة وانه لا اسلال ولا اغلال (ایضاً) بلاذری کے ہاں اس شق میں اذن ولی مذکور نہیں۔ وعلى انه من اتى رسول الله صلى الله عليه وسلم رده اليهم ومن اتاهم من المسلمين لم يردوه اليه۔ بلاذری۔ انساب الاشراف: ج ۱ ص ۴۴۱

۹۹۔ وانه من احب ان يدخل في عقد محمد وعهده دخل فيه ومن احب ان يدخل في عقد

قریش و عهدهم دخل فيه فتوا ثبت خزاعة فقالوا نحن في عقد محمد و عهده و تواثبت بنو بكر فقالوا نحن في عقد قريش و عهدهم ابن ہشام: ج ۳ ص ۳۳۲

۱۰۰۔ وانك ترجع عنا عامك هذا فلا تدخل علينا مكة وانه اذا كان عام قابل خرجنا عنك فدخلتها باصحابك فاقمت بها ثلاثا معك سلاح الراكب السيوف في القرب لاتدخلها بغيرها (ایضاً)

۱۰۱۔ اس دفعہ کا اضافہ ڈاکٹر حمید اللہ کے یہاں پایا جاتا ہے جسے انھوں نے ابوعبید کی کتاب الاموال سے اخذ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو رسول اکرم کی سیاسی زندگی: ص ۱۰۸۔ ابوعبید نے باب ۲۳ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان میعادی امن وصلح کے احکام (پیراگراف: ۴۴۰-۴۴۱) کے تحت ذکر کیا ہے اور سورۂ فتح کی آیت ۲۲ اور ۲۴ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ''چناں چہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ صلح کرلیا جو چار شقوں پر مشتمل تھا۔ یہ کہ وہ آپس میں ایک دوسرے بے خوف و مامون ہو جائیں۔ آپ میں نہ خیانت کریں گے نہ چوری اور نہ تلوار کشی۔ بنابریں جو (مسلمان) حج یا عمرہ کرنے کے لئے یمن وطائف جانے کے لئے مکے میں آئے گا وہ امن پائے گا، اسی طرح جو مشرک شام یا مشرق کی طرف جاتے ہوئے مدینے سے گزرے وہ بھی مامون ومحفوظ رہے گا۔ (ملاحظہ ہو: ابوعبید القاسم بن سلام: ۲۲۴، کتاب الاموال۔ مترجم اردو: تقدیم ترجمہ و تحشیہ: عبدالرحمٰن طاہر سورتی۔ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد ۱۹۸۶ء: ص ۲۳۶-۲۳۵) لیکن دوسرے ماخذ میں بلاذری نے انساب الاشراف میں اس شرط کو نقل کیا ہے: على ان يا من بعضهم بعضا ... فمن قدم مكة حاجاً او معتمراً اومجتازا الى اليمن او الطائف فهو آمن ومن قدم المدينة من المشركين عامداً للشام والمشرق فهو آمن (انساب: ج ۱ ص ۴۴۱)

۱۰۲۔ یہ اضافہ بھی ڈاکٹر حمید اللہ کے ہاں ہے۔ اس کا کوئی حوالہ یا سند مذکور نہیں (دیکھئے رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی: ص ۱۰۹-۱۰۹)۔ یہ بھی محل نظر ہے کہ یہ دفعہ کس حد تک قابل نفاذ تھی۔ کیوں کہ روایت مثلاً بعث رسول اللہ ﷺ من عشرين بدنة لنحر عندالمروة (حاشیہ بر سیرۃ الحلبیہ ج ۲ ص ۲۲۳) وغیرہ کی موجودگی میں موضع نحر تو حدیبیہ نہیں رہا۔

۱۰۳۔ شبلی: ج ۱ ص ۴۶۵

۱۰۴۔ ایضاً: ص ۴۶۶

۱۰۵۔ معلوم نہیں مولانا شبلی نے کس تاثر کے تحت یہ لکھا ہے کہ صلح کے بعد تین دن تک آپ ﷺ نے حدیبیہ میں قیام فرمایا، پھر وہاں سے روانہ ہوئے تو راہ میں یہ سورۃ اتری (ج ۱ ص ۴۶۷) حال آں کہ حدیبیہ میں مدت قیام تین دن سے بہرحال زیادہ رہی۔ واقدی کے مطابق قام رسول الله صلى الله عليه وسلم بالحديبية، عشر يوماً ويقال عشرين ليلة فلما انصرف رسول الله صلى الله عليه وسلم من الحديبية نزل بمر الظهران ثم نزل عسفان: ج ۲ ص ۱۰۱۔ ابن سعد بھی ان کے ہم نوا ہیں: واقام رسول الله صلى الله عليه وسلم بالحديبية بضعة عشر يوماً ويقال عشرين يوماً ثم انصرف رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما كانوا بضجنان نزل عليه انا فتحنا لك فتحاً مبينا (ابن سعد: ج ۲ ص ۹۸)

۱۰۶۔ اسی موقع پر حضرت جبرئیل نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ہدیۂ تبریک وتہنیت پیش کیا (ایضاً)

۱۰۷۔ ابن کثیر نے اس سلسلہ میں متعدد احادیث نقل کی ہیں جن کے مطابق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا جاتا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ تو بخشے بخشائے ہیں اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہوں کو بخش دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرمایا کرتے تھے افلا اکون عبداً شکوراً (دیکھئے تفسیر ابن کثیر: ج ۶ ص ۳۲۸)

۱۰۸۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم نزل علی البارحۃ سورۃ ھی احب الی من الدنیا وما فیھا انا فتحنالك فتحاً مبینا رواہ البخاری والترمذی والنسائی من طرق عن مالک رحمہ اللہ وقال علی بن المدینی ہذا اسناد مدنی جید (ابن کثیر: ج ۶ ص ۳۲۷)

۱۰۹۔ ایضاً

۱۱۰۔ شبلی: ج ۱، ص ۴۲۷

۱۱۱۔ ابن ہشام: ج ۳ ص ۳۲۲

۱۱۲۔ تاریخ یعقوبی: ج ۲ ص ۵۴

۱۱۳۔ عیون الاثر: ج ۲ ص ۱۲۵

۱۱۴۔ ابن ہشام: ج ۳ ص ۳۲۳

۱۱۵۔ ڈاکٹر حمید اللہ رقم طراز ہیں کہ ''ضرورت تھی کہ خیبر اور مکہ دونوں کی قوت کا استیصال کیا جائے مگر مسلمانوں کے پاس اتنی قوت نہ تھی کہ وقت واحد میں ان دونوں مرکزوں پر حملہ کیا جا سکے''۔ آگے لکھتے ہیں۔ ''اس کا بھی خوف لگا ہوا تھا (جیسا کہ شمس الائمہ سرخسی نے کتاب المبسوط میں نہایت بالغ نظری اور تہ بینی سے واضح کیا ہے) کہ اگر مسلمان مکے جاتے ہیں تو خیبر وغطفان مدینے پر چڑھ نہ دوڑیں اور اگر مسلمان خیبر جائیں تو مکے والے اپنے حوالی وموالی کے ساتھ آکر مدینہ نہ لوٹ جائیں'' چناں چہ ان کے نزدیک ''ان حالات میں سیاست دانی کا اقتضا یہی ہوسکتا ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک دشمن سے صلح کر کے دوسرے کے مقابلے میں اس کو دوست ورنہ کم از کم ناطرف دار بنا دیا جائے۔'' (ملاحظہ ہو رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی: ص ۱۰۳)

۱۱۶۔ شبلی: ج ۱ ص ۲۵-۴۲۴

۱۱۷۔ کاندھلوی۔ سیرۃ المصطفیٰ ﷺ: ج ۲ ص ۳۴۷

۱۱۸۔ ابن ہشام: ج ۳ ص ۳۸-۳۳۷ وج ۲ ص ۳۴۷

۱۱۹۔ مولانا کاندھلوی نے زرقانی کے حوالے سے علامہ سہیلی کا قول نقل کیا ہے کہ وہاں ۳۰۰ آدمی جمع ہو گئے تھے۔ ج ۲، ص ۳۵۰)

۱۲۰۔ ابن ہشام (ج ۳ ص ۳۳۸) یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ جناب ابو بصیر کے ٹھکانے پر جمع ہونے والوں میں ابو جندل نمایاں شخصیت تھے جو قریش اور خزرج دونوں سے متمع ہوئے۔

۱۲۰/الف۔ الممتحنہ: ۱۰، ۱۱

۱۲۱۔ مولانا شبلی: ج ا ص ۲۸۔ ۴۲۷

۱۲۲۔ صلح حدیبیہ کی جن دفعات کو سہیل بن عمرو نے اپنی من مانی کر کے لکھوایا تھا۔ ان کا تجزیہ خوب صورت توجیہ کے ساتھ ڈاکٹر حمید اللہ نے اس طرح کیا ہے۔ ''اسلامی حکومت تو قریش کی منہ مانگی شرطیں منظور کرنے کو تیار تھی۔ صرف خیبر سے ان کی غیر جانب داری مطلوب تھی۔ اسے قریش نے منظور کرلیا تھا بل کہ اس سے بھی زیادہ رعایتیں منظور کر لی تھیں۔ باسمك اللهم (یعنی اے اللہ تیرے نام سے) کے فارمولے میں کوئی شرک یا بت پرستی نہیں ہے اور اس کو نیز محمد بن عبداللہ'' کو منظور کرنے میں مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ تھا اسی طرح عمرے میں رکاوٹ معمولی امر ہے اور من استطاع الیہ سبیلا کے باعث اس وقت وہ مسلمانوں پر فرض ہی نہ تھا۔ ایک طرف تحویل ملزمین کی توجیہ خود جناب رسالت مآب ﷺ نے یہ فرمائی کہ ہمارے پاس سے بھاگ کر جانے والا کافر ہی ہوگا اور ہمیں اس کی ضرورت نہیں اور قریش کے پاس سے بھاگ کر آنے والا مسلمان ہی ہوگا۔ اور اگر وہ اپنے ہم وطنوں کے مظالم پر صبر کرے گا تو خدا اسے اجر دے گا...... الخ (دیکھئے۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی: ص ۱۰۷)

۱۲۳۔ ایضاً: ۱۰۷

۱۲۴۔ ایضاً مزید تفصیل کے لئے دیکھئے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کی کتاب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اردو ص ۱۴۰ تا ۱۴۲

۱۲۵۔ صلح حدیبیہ کے بعد جس بڑے پیمانے پر عوام وخواص نے اسلام قبول کیا، وہ بہ جائے خود ایک الگ مضمون اور خصوصی مطالعے کا متقاضی ہے۔ تاہم سرسری طور پر بھی (مکہ مکرمہ کے عوام وخواص نے قبول اسلام میں جو سرگرمی دکھائی) اس کا مطالعہ کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کوہ صفا کے بعد سے ہجرت مدینہ تک اسلام سے شدید نفرت وعداوت کا اہل مکہ نے جو اظہار کیا، وہ شاید اُن کے کچھ بڑوں کا پیدا کردہ تھا۔ وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جنگ بدر واحد وغیرہ میں ان کے بڑوں کے کام آ جانے کے بعد بہ تدریج کم سے کم ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ صلح حدیبیہ کے انعقاد کے بعد تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عوام الناس تو کجا، عہد جاہلی کا کٹر دشمن اسلام بھی قلب ماہیت کے عمل سے گزر رہا تھا۔ بس ہر ایک کو اپنے وقت کا انتظار تھا کہ کب وہ مناسب موقع آئے اور وہ دل فرش راہ کر دے۔ چناں چہ صلح حدیبیہ تا فتح مکہ اہل مکہ کے عوام وخواص، مرد وزن اور چھوٹے بڑے ہر قسم کے لوگ پکے ہوئے پھلوں کی طرح دامن اسلام میں گرتے چلے گئے۔ ان کے نام عام کتابوں میں بھی تلاش کئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً جناب ابو جندلؓ اور ابو بصیرؓ کے نام تو واقعہ صلح حدیبیہ کا ناگزیر قصہ ہیں، مولانا شبلی نے حضرت خالد بن ولیدؓ (فاتح شام) اور حضرت عمرو بن العاصؓ (فاتح مصر) کی نمایاں مثال دی ہے۔ جب کہ دیگر میں عثمان بن طلحہ (قریش کا علم بردار) ان کے والد، ان کے چار بھائی، چچا وغیرہ شامل ہیں، نیز حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، قبیلہ بنو عدی کے ۲۷ افراد، اسود بن عوف (برادر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف) بنو مطلب کے جہم بن صلت، بنو جمح کے سعید بن عامر بن خزیمہ، اور بنو مخزوم کے سعید بن حریث بن عمرو اور سعید بن یربوع بن عنکشہ، کرز بن جابر الفہری (جو لشکر رسول میں شامل تھے اور فتح مکہ کے روز مکہ میں شہید ہوئے) دشمن اسلام ابولہب کی بیٹی درہ، قبول اسلام کے بعد ہجرت مدینہ کر چکی تھی،

حضرت عثمان بن عفان کی ماں جائی بہن ام کلثوم جن کی واپسی کا قریش مکہ نے مطالبہ کیا تھا تو اللہ کے رسول نے واپس بھیجنے سے انکار کردیا تھا اور فرمایا تھا کہ حدیبیہ کا معاہدہ خواتین پر لاگو نہیں ہوتا (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے۔شبلی: ج ۱ ص ۴۲۷ نیز رفیق ڈوگر۔ الامین: ج ۴ ص ۳۰ وغیرہ

۱۲۶۔ حضرت ابوبصیرؓ (عتبہ بن اسید بن جاریہ حلیف بنی زھرہ) ایک مکی مسلمان جو بھاگ کر مدینے آ گئے تھے۔قریش کو پتہ چلا تو ایک خط کے ساتھ خنیس بن جابر اور اس کے غلام کو آں حضورؐ کی خدمت میں بھیجا کہ شرط کے مطابق ابوبصیر کو واپس کریں۔آں حضورؐ نے ابوبصیرؓ کو ان دونوں کے حوالے کردیا تو آپ نے ابوبصیرؓ کو یہ تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تم کو اور تمام دوسرے مسلمانوں کو نجات کی صورت مہیا فرمائے گا۔ابوبصیر خنیس اور اس کے مولیٰ کے ہم راہ چلے تو ذوالحلیفہ پہنچ کر خنیس کی ہی تلوار سے اس کا کام تمام کردیا، غلام بھاگ نکلا اور سیدھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر فریاد کناں ہوا، پیچھے پیچھے ابوبصیر بھی پہنچ گئے اور انہوں نے حضور ﷺ سے فرمایا کہ آپ نے تو معاہدہ وفا کردیا اور ذمہ پورا کر کے مجھے دشمنوں کے حوالے کردیا۔اب آپ پر کیا دوش؟ حضورؐ نے ان کی اولوالعزمی دیکھ کر فرمایا! اف! کچھ لوگوں کی معیت اسے حاصل ہو جائے تو یہ تو جنگ کی آگ بھڑکا دے گا، پھر ابوبصیرؓ سے فرمایا، تم جہاں چاہو چلے جاؤ۔اور یوں وہ ساحل سمندر کے قریب ''عیص'' چلے گئے جہاں سے قریب ہی شامی تجارتی راستہ تھا، جہاں سے قریشی تجارتی قافلوں کی آمد ورفت ہوتی تھی۔ ابوبصیر کے وہاں مقیم ہوجانے سے مکہ کے بے کس اور ستم رسیدہ مسلمانوں کو عافیت کا ایک ٹھکانہ میسر آ گیا، وہیں ابوجندل بھی پہنچ گئے اور دوسرے بہت سے دوسرے مسلمان یہاں تک کہ ان کی جمعیت ۳۰۰ تک پہنچ گئی۔ایک ایسی قابل ذکر قوت جو قریش کے لئے آگے جا کر سخت پریشانی کا باعث ہوئی اور قریش کو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تحریری طور پر یہ استدعا کرنا پڑی کہ ابوبصیرؓ اور ان کے ساتھیوں کی ہمیں بلانے کی حاجت نہیں آپ ﷺ ہی اپنے پاس بلالیں (واقدی: ج ۲ ص ۱۰۶ تا ص ۱۰۹ ملخصاً)

۱۲۷۔ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط قرشیہ مسلمہ مہاجرہ نے مکے سے مدینے پہنچنے کی روداد خود بیان کی ہے، ام کلثوم زوجۂ رسول حضرت ام سلمہؓ کے پاس پہنچی تو وہاں آقائے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مرحبا کہا۔ اس ہمت افزائی پر اس نے خدمت نبوی ﷺ میں یہ استدعا کی کہ وہ عورت زاد، اسے کہیں دوسروں کی طرح قریش کے حوالے نہ فرمادیجئے گا۔اس کے الفاظ تھے: **یارسول الله انی فررت بدینی الیک فامنعنی ولاتردنی الیهم یفتنونی ویعذبونی، فلاصبرلی علی العذاب، انما انا امرأة وضعف النسآء الی ماتعرف وقد رأیتك رددت رجلین الی المشرکین حتی امتنع احدهماوانا امرأة، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله نقض العهد فی النسآء، وانزل الله فیهن ''الممتحنه''** (واقدی: ج ۲ ص ۱۱۰۔۱۱۱)

ام کلثوم کو واپس لے جانے کے لئے ان کے دو بھائی عمارۃ اور ولید آئے، لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حوالے کرنے سے انکار فرمادیا۔اس کی تائید اُس حکم الٰہی سے بھی ہوگئی جو سورۂ ممتحنہ (آیت ۱۰، ۱۱) میں نازل

ہوا: یاایھا الذین آمنوا اذا جاء کم المومنات مهاجرات فامتحنوهن الله اعلم بایمانهن فان علمتموهن مومنات فلاترجعوهن الی الکفار ...الخ) مولانا ادریس کاندھلوی نے اپنی کتاب سیرت مصطفیٰ میں سورۃ الممتحنہ کی مندرجہ بالا دونوں آیت سے مع ترجمہ پیش کرنے کے بعد فوائد و لطائف کے تحت لکھا ہے کہ ۱۔ جو عورت مسلمان ہو کر دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالسلام میں چلی آئے تو اس کا نکاح شوہر سے فسخ ہو جاتا ہے اور اسی طرح کوئی مرد مسلمان ہو کر دارالحرب سے دارالسلام میں چلا آئے تو اس کا نکاح اس کافرہ بیوی سے فسخ ہو جاتا ہے۔۲۔ لاتمسکو بعصم الکوافر ۔کافر عورتوں کی عصمت کو روک کر نہ رکھو۔ یعنی ان کو چھوڑ دو اور ازدواجی تعلق ان سے منقطع کر دو اور مسلمانوں کو روا نہیں کہ ایک مشرکہ عورت کو اپنے نکاح میں رکھے۔ چناں چہ حضرت عمرؓ نے اس آیت کے نزول کے بعد اپنی دو مشرکہ بیویوں کو جو مکے میں تھیں، طلاق دے دی۔ ایک کا نام قریبیہ تھا جس نے بعد میں معاویہ بن ابی سفیان سے نکاح کیا اور دوسری کا نام ام کلثوم تھا جس نے بعد میں ابوجہم سے نکاح کیا۔ سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: ج ۲ ص ۵۵۔۳۵۲

۱۲۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اردو: ص ۱۴۲۔ مصنف نے اس کا کوئی حوالہ نقل نہیں کیا۔

۱۲۸/ الف۔ الفتح: ۲،۳،۸

۱۲۸/ ب۔ الفتح: ۲۸،۲۹

۱۲۹۔ شبلی: ج ۱، ص ۴۳۰

۱۳۰۔ ابن سعد ج ۱ ص ۲۵۸ عنوان بحث ہے: ذکر بعثة رسول الله صلی الله علیه وسلم الرسل بکتبه الی الملوك یدعوهم الی الاسلام وماکتب به رسول الله صلی الله علیه وسلم لناس من العرب وغیرهم۔

۱۳۱۔ ایضاً: ص ۲۵۸۔

۱۳۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ایضاً ص ۲۶۴ تا ص ۲۹۱۔ خطوط و مکاتیب کی تعداد ۸۱ کے لگ بھگ ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کو نہ صرف یہ کہ عرب کے کونے کونے تک بل کہ بیرونی دنیا میں اُس وقت کی تمام مملکتوں سربراہان و عوام الناس تک حکمت و موعظت کے ساتھ پہنچایا۔

۱۳۳۔ مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ خیبر غالباً عبرانی لفظ ہے۔ جس کے معنی قلعے کے ہیں..... یہاں یہود نے نہایت مضبوط متعدد قلعے بنائے تھے (سیرۃ النبی: ج ۱ ص ۴۴۱) آگے چل کر رقم طراز ہیں، چھ قلعے تھے۔ سالم، قموص، نطاۃ، قصارہ، شق، مریطہ (ایضاً: ص ۴۴۹) جب کہ ابن سعد کے مطابق ۱۰، ۱۱ تعداد تھی اور نام یہ تھے۔ النطاط، الصعب، بن هاذ، ناعم، قلعة الزبیر، الشق، لطن ابی، النزار، (حصون الکتیبہ) القموص، الوطیح، سللم۔ (حصن بن ابی الحقیق)

۱۳۴۔ ڈاکٹر حمید اللہ۔ رسول اکرم کی سیاسی زندگی: ص ۱۰۳

۱۳۵۔ ابن سعد: ج ۲ ص ۹۸

۱۳۶۔ مودودی۔ تفہیم القرآن: ج۵ ص۴۳ (بہ حوالہ مسند احمد و ابوداؤد)

۱۳۷۔ آیت ۱۸ میں واقع الفاظ واثابھم فتحاً قریباً کے تحت حاشیہ (مولانا) شبیر احمد عثمانی میں لکھا ہے "یعنی فتح خیبر جو حدیبیہ سے واپسی کے بعد فوراً مل گئی اور مال غنیمت بہت آیا جس سے صحابہ آسودہ ہو گئے۔ اور آیت ۱۹ کے ضمن میں لکھا ہے "یعنی (اللہ نے) اپنے زور و حکمت سے حدیبیہ کی کسر یہاں نکال دی اور اسی طرح کا قصہ فتح مکہ اور حنین میں ہوا (دیکھئے حاشیہ عثمانی مطبوعہ مجمع الملک فہد۔ مدینہ منورہ: ص۸۲-۶۸۱) نیز آیت ۲۱ کے حاشیے میں رقم طراز ہیں کہ "یعنی اس بیعت کے انعام میں فتح خیبر دی اور مکہ کی فتح جو اس وقت ہاتھ نہ لگی وہ بھی مل ہی چکی ہے کیوں کہ اللہ نے اس کا وعدہ کرلیا اور فی الحقیقت عالم اسباب میں وہ نتیجہ اسی صلح کا ہے۔ (ایضاً: ص۶۸۲)

۱۳۸۔ دیکھئے بلاذری فتوح البلدان ص۲۵ (وکانوا الفاً و خمسمائة و ثمانين رجلاً الذين شهدوا الحديبية منهم الف و خمسمائة واربعون والذين كانوا مع جعفر بن ابی طالب بارض حبشة اربعون رجلا) فتح خیبر کے اسی موقع پر حبشہ سے حضرت جند بن ابی طالب اور دوسرے مہاجرین حبشہ آ کر ملے۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کو گلے لگایا اور پیشانی کو بوسہ دیا اور یہ فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا کہ مجھ کو فتح خیبر کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر کے آنے کی۔ ابن کثیر نے ذکر قدوم جعفر بن ابی طالبؓ کے تحت مہاجرین حبشہ کی تعداد ۵۲، ۵۳ لکھی ہے۔ دیکھئے ابن کثیر: ج۳ ص۳۸۹

۱۳۹۔ واقدی کے مطابق یہود خیبر کا خیال تھا کہ خیبر میں ان کے قلعوں کی تعداد اور ان کی مضبوطی، اسلحہ جات کی بھرمار اور کثرت سپاہ وغیرہ کے سبب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خیبر پر حملہ کرنے کی ہمت اور اسے فتح کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ (واقدی: ج۲ ص۱۱۵) اس گھمنڈ اور غرور کا انجام انہوں نے اپنی آنکھوں سے چند دن میں ہی دیکھ لیا۔

۱۴۰۔ تفصیل کے لئے دیکھئے۔ بلاذری۔ فتوح البلدان: ص۲۱ تا ص۲۵ نیز ڈاکٹر حمید اللہ کے بیان و تجزیے کے لئے دیکھئے رسول اکرم کی سیاسی زندگی: ۲۶۷،۶۸۔

۱۴۱۔ بلاذری: ص۲۵

۱۴۲۔ ایضاً: ص۲۸

۱۴۳۔ ایضاً

۱۴۴۔ مولانا شبلی نے غزوۂ خیبر کی خصوصیات کے بارے میں لکھا ہے کہ اب تک جو لڑائیاں وقوع میں آئیں محض دفاعی تھیں، یہ پہلا غزوہ ہے جس میں غیر مسلم رعایا بنائے گئے، اور طرز حکومت کی بنیاد قائم ہوئی (سیرۃ النبی: ج۱ ص۴۴۶) آگے لکھتے ہیں کہ "جب کوئی قوم خود اسلام کی مخالفت پر کمربستہ اور مٹا دینا چاہے تو اسلام کو مدافعت کے لئے تلوار ہاتھ میں لینا پڑتی ہے اور اس کو اپنے زیر اثر رکھنا پڑتا ہے خیبر اس قاعدے کے موافق اسلام کا پہلا مفتوحہ ملک تھا (ایضاً) مولانا شبلی آگے رقم طراز ہیں کہ خیبر کی فتح سے اسلام کی ملکی اور سیاسی حالت کا نیا دور شروع ہوتا ہے (ایضاً: ص۴۶۳) پھر لکھتے ہیں: "خیبر کی فتح کے بعد یہود کی قوت بالکل ٹوٹ گئی اور